بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر اہل بیت محمدؐ و آلِ محمدؑ

(قرآن مجید کی وہ تفسیر جو محمدؐ و آلِ محمدؑ نے بیان فرمائی)
مستند حوالوں کے ساتھ

تفسیر سورۂ فاتحہ

خلاصہ ارشادات:

حضرت سرکار آیت اللہ مرزا مہدی پویاؒ

اکابر مفسرین عالمِ اسلامؒ و اکابر محققینِ علومِ جدیدہ

تحقیق وتلخیص:

مفسرِ قرآن ڈاکٹر محمد حسن رضوی

معاون:

سبط حیدر صاحب، محمد علی سیّد

عرضِ ناشر

آپ کے اور ہمارے مرحومین ہم سے توقع رکھتے ہیں کہ ہم انہیں افزائشِ زادِ آخرت سے محروم نہ رکھیں۔ لہٰذا پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اور ہمارے مرحومین بالخصوص.......... آغا یوسف حسین ابن آغا واجد حسین

☆ آغا واجد حسین ابن آغا محمد حسین ☆ سکینہ بیگم بنت سعادت علی

☆ آغا اقبال حسین ابن آغا یوسف حسین ☆ آغا محمد حسین ابن آغا واجد حسین

☆ خواجہ اظہر عباس ابن خواجہ نذر عباس ☆ خواجہ نذر عباس ابن خواجہ شاکر الدین

☆ سید محمد جان نقوی ابن سید خوش بخت علی ☆ محمودہ بیگم بنت احمد حسین

☆ سید محمد ظہور ابن سید حسن رضوی ☆ سیدہ لیئق فاطمہ بنتِ سید محمد جان نقوی

☆ خواجہ ناصر الدین ابن خواجہ محمد دین ☆ سیدہ انیس فاطمہ بنتِ سید محمد جان نقوی

☆ سید اسد رضا نقوی ابن سید محمد جان نقوی ☆ سیدہ عابدہ حسین بنتِ سید اصغر نقوی

☆ سید رضا نقوی ابن سید محمد جان نقوی ☆ سیدہ فرح جہاں بنتِ سید ذی الحسن باقری

☆ اخلاق فاطمہ بنتِ شاکر الدین ☆ سید جعفر حسین ابن احمد حسین

آغا زعفر علی ابن آغا باقر علی کیلئے اول و آخر درود کے ساتھ ایک بار سورۂ حمد اور تین بار سورۂ توحید کی تلاوت فرمادیں۔ شکریہ۔

ملتمس دعا

مسمات شفیق فاطمہ

آغا تجمل حسین، آغا طاہر حسین

آغا بابر حسین، آغا افسر حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر اہل بیت
محمدؐ و آل محمدؐ

(قرآن مجید کی وہ تفسیر جو محمدؐ و آل محمدؐ نے بیان فرمائی)

مستند حوالوں کے ساتھ

تفسیر سورۃ فاتحہ

خلاصہ ارشادات:

حضرت سرکار آیت اللہ مرزا مہدی پویاؒ

اکابر مفسرین عالم اسلام و اکابر محققین علوم جدیدہ

تحقیق وتلخیص:

مفسر قرآن ڈاکٹر محمد حسن رضوی

معاون:

سبط حیدر صاحب، محمد علی سید

سُوۡرَةُ الۡفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبۡعُ اٰيَاتٍ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ لا

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ لا مٰلِكِ يَوۡمِ

الدِّيۡنِ ۝ ط اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ

نَسۡتَعِيۡنُ ۝ ط اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ لا

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۝ لا

غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ

وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝ ع

maablib.org

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

سورہ فاتحہ کا ترجمہ:

(۱) اللہ کے نام سے مدد مانگتے ہوئے شروع کرتا ہوں، جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بے حد مہربان ہے

(۲) ہر تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا مالک ہے۔

(۳) جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔

(۴) جو بدلے کے دن کا مالک ہے (جو قیامت کے دن تمام فیصلے کرنے وا ہے)۔

(۵) ہم صرف تیری غلامی کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں

(۶) ہمیں سیدھا راستہ دکھلاتا رہ

(۷) ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ جن پر نہ تو غصہ ہو اور نہ وہ گمراہ ہوئے (یا) اُن کا راستہ ہرگز نہیں جن پر تو نے غصہ فرمایا اور اُن کا جو گمراہ ہوئے۔

اس کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب: تفسیر اہل بیتؑ

جلد اوّل: سورۂ فاتحہ

تلخیص و تحقیق: ڈاکٹر محمد حسن رضوی

اشاعت: رمضان المبارک ۱۴۳۴ ہجری

تعداد اشاعت: ایک ہزار

سرورق: سسٹم گرافکس

پرنٹر: کن شائین

قیمت: 200 روپے

پبلشر: اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز۔ پاکستان

maablib.org

سورۂ فاتحہ کے فضائل و خصوصیات

فرزندِ رسولؐ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ اُن کے آبائے طاہرینؑ نے فرمایا کہ جناب حضرت رسولِ خداؐ ختمی مرتبت کا ارشاد ہے کہ جب خدا نے سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور آیۃ شھد اللہ اور آیۃ قل اللھم مالک الملک ----- بغیر حساب تک کو نازل فرمانا چاہا تو یہ سورے اور یہ آیتیں عرشِ الٰہی سے چمٹ گئیں۔ کیونکہ اُن کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب یا پردہ حائل نہ تھا۔ انہوں نے خداوند عالم سے عرض کی کہ مالک تو ہم کو گناہوں کے گھر (دنیا) میں بھیج رہا ہے۔ وہ لوگ نجس ہیں اور ہم تو تیری پاکیزگی سے وابستہ ہیں۔

خداوند عالمین نے فرمایا: ''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد تمھاری تلاوت کرے گا (یعنی سمجھ کر پڑھے گا) میں اسے دنیا سے نکال کر اپنے حظیرۃ القدس (اپنے پاک مقدس پڑوس) میں ہمیشہ رہنے کی جگہ دوں گا۔ اس کو ہر روز اپنی خاصِ نگاہِ رحمت سے دیکھوں گا۔ روزانہ اُس کی ستر ضرورتوں کو پورا کروں گا، اُس کی ہر خواہش بھی پوری کروں گا اور اُس کے گناہ بھی معاف کروں گا۔ اُس کو اُس کے ہر دشمن سے پناہ دے کر بچاؤں گا اور اُس کو اُس کے دشمنوں پر کامیابی عطا کروں گا۔ اُس کے جنت میں داخل ہونے میں صرف اُن کی موت رکاوٹ ہوگی''۔ یعنی مرتے ہی وہ بلا حساب کتاب کے فوراً جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

(تفسیر مجمع البیان۔ تفسیر نور الثقلین)

فرزندِ رسول حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ابلیس اپنی زندگی میں چار (۴) مرتبہ چیخ چیخ کر رویا اور فریاد کی۔

وہ دن یہ ہیں:

(۱) جس دن اس پر خدا نے لعنت کی

(۲) جس دن اسے زمین پر اتارا گیا

(۳) جب ایک مدّت کے بعد جناب رسولؐ خدا کو مبعوث کیا گیا یعنی بھیجا گیا۔

(۴) جب امّ الکتاب یعنی قرآن کی جڑ یعنی سورۂ فاتحہ کو اتارا گیا۔

کیونکہ سورۂ فاتحہ سمجھنے کے بعد کوئی بھی انسان شیطان کے قابو میں نہیں آ سکتا۔

(الخصال، تفسیر نور الثقلین)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''ام الکتاب (قرآن کی جڑ بنیاد یعنی سورۂ فاتحہ) میں خدا کا اسمِ اعظم بیان کر دیا گیا ہے''۔ (ثواب الاعمال، تفسیر نور الثقلین)

جناب ختمی مرتبت رسولؐ خدا نے فرمایا: ''جو شخص سورۂ فاتحہ کا مطالعہ کرتا ہے خداوند عالم اسے تمام آسمانی کتابوں کے پڑھنے کا ثواب عطا فرماتا ہے''۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ ساری آسمانی کتابوں کا خلاصہ ہے۔

(تفسیر نور الثقلین بروایت حضرت امام حسنؑ)

حضرت جابر ابنِ عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خداوند عالم نے مجھ سے فرمایا: ''میں نے تمہاری امت کو اپنے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ دیا ہے اور وہ خزانہ فاتحہ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ ہے''۔

(تفسیر نور الثقلین)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ "اگر کسی درد (بیماری) پر ستر (۷۰) مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے تو وہ دور ہو جائے گی۔ نیز فرمایا: جسے سورہ حمد سے تندرستی نہ ملے تو پھر اس کو کسی اور چیز سے بھی تندرستی نہیں ملے گی"۔ یعنی مرض موت کا بہر حال کوئی علاج نہیں۔　　(اصولِ کافی)

نـوٹ: یاد رکھیے ہر مرض کے علاج کے لئے علاج اور دوا کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی دعا کام آسکتی ہے کیونکہ یہی خدا کا حکم ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ "اگر میں کسی مردے پر ستر ۷۰ مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھوں اور اس میں روح واپس آجائے تو مجھے اس پر تعجب نہ ہوگا"۔

(اصولِ کافی)

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ سے فرمایا: "اے محمدؐ! ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآنِ عظیم عطا کیا ہے"۔

(سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جس میں سات (۷) آیات ہیں اور یہ دو (۲) مرتبہ نازل ہوئی۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس طرح خداوند عالمین نے سورۂ فاتحہ عطا فرما کر مجھ پر اپنا خاص عظیم احسان فرمایا ہے۔ سورۂ فاتحہ کو پورے قرآن کے برابر قرار دیا ہے۔ عرش کے تمام خزانوں میں سورۂ فاتحہ سب سے اشرف اور اعلیٰ خزانہ ہے۔ اسی لیے خدا نے اس عظیم خزانے کو مجھ سے مخصوص فرمایا ہے اور کسی نبی پر اللہ تعالیٰ نے ایسا عظیم الشان سورہ نہیں اتارا۔ البتہ حضرت سلیمانؑ کو صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کی آیت عطا فرمائی تھی۔

یاد رکھو کہ جو شخص بھی اس سورے کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت اور مودّت رکھتے ہوئے اور عملاً ان کی فرمانبرداری کرتے ہوئے، ان کے ظاہر و باطن کو دل سے مانتے ہوئے پڑھے گا، تو خداوند عالم اس کو ہر ہر حرف کے بدلے ایک ایسی نیکی عطا فرمائے گا جو دنیا اور اس کی تمام دولتوں اور فائدوں سے کہیں بہتر ہوگی اور اگر وہ کسی پڑھنے والے سے اس سورے کو غور سے سنے گا تو بھی۔ اس کو پڑھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ اس سورے کو زیادہ سے زیادہ پڑھے (اور سمجھے) کیونکہ اس کا پڑھنا بڑا غنیمت (فائدہ) ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی کا وقت ختم ہو جائے اور تمھارے دلوں میں افسوس رہ جائے کہ ہم نے اتنا بڑا فائدہ کھو دیا۔

(عیون الاخبار، تفسیر نورالثقلین)

سورۂ فاتحہ کے نام

کسی چیز کے کئی نام ہونا اس کی عظمت کو واضح کرتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ سے زیادہ کسی اور سورے کے نام نہیں رکھے گئے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سورۂ فاتحہ تمام سورتوں میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ سورۂ حمد کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) فاتحہ : جس سے قرآن جیسی عظیم کتاب کو شروع کیا گیا ہے۔ فاتحہ کے معنی شروع کرنا۔

(۲) امّ الکتاب: یعنی قرآن کی جڑ بنیاد

(۳) السبع المثانی : وہ سات آیتیں جو دو مرتبہ اتری ہیں۔ یا ہر نماز میں کم سے کم دو مرتبہ ضرور پڑھی جاتی ہیں۔

(۴) الکافیہ: سنّتی نمازوں میں صرف سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی کافی ہے۔

(۵) سورۃ الحمد: سورۂ فاتحہ خدا کی حمد و تعریف سے شروع ہوتی ہے۔

(۶) سورۃ الشکر: سورۂ فاتحہ کا پڑھنا خدا کی نعمتوں کا بہترین شکر ادا کرنا ہے۔

(۷) سورۃ الصلوۃ: کوئی نماز سورۂ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

(۸) فاتحۃ الکتاب: اس سورے سے قرآن کی ابتداء ہوتی ہے۔

(۹) امّ القرآن : سورۂ فاتحہ قرآن کی ماں یعنی سرچشمہ اور خلاصہ ہے۔

(۱۰) الوافیہ: اس میں مکمل ہدایت کا سامان ہے اور اس سورہ کو ہر نماز میں پورا پڑھنا ضروری ہے۔

(۱۱) الاساس: سورۂ حمد قرآن کی جڑ بنیاد ہے۔

(۱۲) سورۃ الدعا: سورۂ حمد بہترین اور جامع ترین دعا ہے۔

(۱۳) سورۃ المناجاۃ: سورۂ حمد خدا سے چپکے چپکے باتیں کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۱۴) الکنز یعنی خزانہ: سورۂ فاتحہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا خزانہ ہے۔

(۱۵) سورۃ النور: یعنی یہ سورہ ہدایت کا بہترین ذخیرہ ہے۔

(۱۶) الشفا: جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: یہ سورہ موت کے علاوہ ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔

(۱۷) واقیۃ: یعنی محفوظ رکھنا۔ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: سوتے وقت سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھا کرو گے تو موت کے سوا ہر چیز سے محفوظ رہو گے۔

(اتقان امام سیوطی، غرائب القرآن علامہ نیشاپوری)

امام راغب اصفہانی نے لکھا کہ فتح کے معنی کھولنا یعنی مشکلات کو دور کرنا ہے، سورۂ فاتحہ کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سورہ ہر قسم کی مشکلات کو دور کر دیتی ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ سورۂ حمد خدا کی تعریف میں وہ زبردست مناجات اور دعا ہے کہ جو اس قدر آسان ہے کہ مزید تشریح سے بے نیاز ہے اور معنویت سے بے حد لبریز ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۲ اشاعت ۱۱)

ارشاداتِ آیت اللہ مرزا مہدی پویاؒ

امیر المومنینؑ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تمام آسمانی کتابوں کا اور تمام ہونے والی باتوں کا علم قرآن مجید میں ہے۔ اور پورے قرآن کا علم سورۂ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورۂ فاتحہ میں ہے وہ سب کا سب بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں ہے اور جو کچھ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں ہے وہ سب کا سب بِسْمِ الله میں ہے (یعنی اس ب میں جس سے بسم اللہ شروع ہوتی ہے) اور جو کچھ بسم اللہ کے ''ب'' میں ہے وہ سب اس نقطے میں ہے جو ''ب'' کے نیچے لگا ہوا ہے اور وہ نقطہ میں (علی ابن ابی طالبؑ) ہوں۔ انا نقطة تحت الباء۔

حوالہ: (۱) ینابیع المودۃ صفحہ ۵۷۔ ۵۸

(۲) خزینۃ الجواہر صفحہ ۴۳۶، ۵۷

ایس۔ وی۔ میر

(۳) مقامات النجاۃ سید نعمت اللہ الجزائریؒ

نوٹ: ایک اعتراض اور اس کا جواب: یہ درست ہے کہ اس زمانے میں نقطے نہیں لگائے جاتے تھے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ نقطے موجود ہی نہ تھے۔ اگر نقطے موجود ہی نہ ہوتے تو پھر ب، ت اور ث وغیرہ میں فرق کیسے ممکن ہوتا؟ ج اور ح میں کیسے فرق ہوتا؟ اس طرح اس زمانے میں قرآن پر اعراب (زیر، زبر، پیش) نہیں لگائے جاتے تھے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ زیر، زبر پیش تھے ہی نہیں۔ اس لئے یہ اعتراض لاعلمی پر دلالت کرتا ہے

کہ یہ حدیث اس لیے غلط ہے کہ اس زمانے میں نقطے نہیں لگائے جاتے تھے۔
(تفسیر انوار النجف و ارشادات حضرت آیت اللہ مرزا مہدی پویا)

بِسۡمِ اللّٰہ کی ب

بسم اللہ کا پہلا حرف "ب" ہی وہ حرف ہے جو ساری کائنات کا تعلق خدا سے جوڑتا ہے کیونکہ "ب" کے معنی ہیں۔

۱) شروع کرتا ہوں (اللہ کے نام سے)

۲) مدد مانگتا ہوں (اللہ سے)

گویا ساری کائناتِ کا اللہ سے تعلق اسی "ب" کی وجہ سے قائم ہوتا ہے جو بسم اللہ کا پہلا حرف ہے۔ الف کا حرف اللہ کی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے اور "ب" کے حرف کی حقیقت جناب رسولؐ خدا کی ذاتِ والا صفات ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے مخلوق کا تعلق خالق سے قائم ہوتا ہے۔ خدا کے پیغامات اور تعلیمات ہمیں جناب رسولؐ خدا ہی سے ملی ہیں۔ مگر "ب" کے نیچے کا نقطہ ب کی پہچان ہے۔ اگر "ب" کے نیچے نقطہ نہ ہو تو "ب" کو پہچاننا ممکن نہیں تھا کہ آیا وہ صرف ایک لکیر ہے؟ یا ت ہے؟ یا ث ہے؟ یا ث ہے؟ غرض "ب" کی پہچان "ب" کے نیچے کے نقطے ہی سے ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ وہ نقطہ میں ہوں۔ یعنی میرے ذریعے جناب رسولؐ خدا کی ذات، تعلیمات، کردار، اخلاق اور علم کو جانا پہچانا جا سکتا ہے۔

جس طرح حضرت رسولؐ خدا کی ذات اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ ہے،

اسی طرح حضرت علیؑ کی ذات جناب رسولِؐ خدا کی پہچان اور معرفت کا ذریعہ ہے۔

جناب رسولِؐ خدا نے فرمایا: ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں جس کو میرا علم چاہیے وہ اس کے دروازے سے آئے''۔ (ترمذی شریف)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی معرفت اور پہچان، اللہ کا دین اور پیغام، جناب رسولِؐ خدا ہی کے ذریعے سے مل سکتا ہے اور رسولِؐ خدا کی پہچان اور علم حضرت علیؑ ہی سے ملے گا۔ علیؑ کی ذات رسولِ خداؐ کی پہچان اور معرفت کا ذریعہ ہے، جس طرح ''ب'' کا نقطہ ب کی پہچان ہے۔ پھر یہی محمدؐ و علیؑ خدا اور بندے کے درمیان واسطہ ہیں۔ رسولِؐ خدا، اللہ کے نبی آخر اور علیؑ خدا کی حجت اور رسولِؐ خدا کے خلیفہ ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''ہم (آلِ محمدؐ، ائمہ اہلِ بیتؑ) علمِ خدا کے خزانہ دار اور خدا تک پہنچنے کے دروازے ہیں''۔ (الحدیث)

جناب رسولِؐ خدا نے اس بات کی مکمل وضاحت اس طرح فرمائی: ''میں تم میں دو بے حد قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں (۱) خدا کی کتاب (۲) میری اولاد (اہلِ بیتؑ) جب تک تم ان دونوں سے مضبوط تعلق جوڑے رکھو گے کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے، یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہ لوٹ آئیں''۔

(صحیح مسلم شریف اور بیان آیت اللہ آقائے مرزا مہدی پویاؒ)

جناب رسولِؐ خدا نے یہ بھی فرمایا: ''میرے اہلِ بیتؑ (مراد ائمہ اہل بیتؑ) کی مثال نوحؑ کی کشتی کی سی ہے، جو اس کشتی پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے منہ موڑا وہ غرق ہوا، برباد ہوا۔

اختلاف کا آسان حل

مسلمانوں میں جو علمی اختلاف ہے اس کی حاصل بنیاد یہ ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کے بعد ان کا علم، احادیث و سنت ان کے صحابۂ کرامؓ سے لی جائے یا ان کے اہلِ بیتؑ سے لی جائے؟

اس سلسلے میں بھی حضرت علی علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات ایسی ذات ہے کہ جو بیک وقت اکابرِ صحابہ کرامؓ میں بھی شامل ہے اور آپ اہلِ بیتِ رسولؐ میں بھی سب سے اہم فرد ہیں۔ اس لیے اگر حضرت علیؑ سے رسولِ اکرمؐ کی احادیث اور آپ کی سنت اور قرآن کے مطلب کو سیکھا جائے تو گویا ہم بیک وقت صحابہ کرامؓ سے بھی استفادہ کر رہے ہیں اور اہلِ بیتِ رسولؐ سے بھی۔

اسی لیے رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ انا مدینة العلم و علی بابها یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں جو یہ چاہتا ہے میرا علم حاصل کرے اس کو چاہیے کہ اس کے دروازے سے آئے۔ (صحیح ترمذی شریف)

ائمہ اہلِ بیت بھی اپنا علم حضرت علیؑ ہی سے حاصل کرتے ہیں اور تمام احادیث و اخبار حضرت علیؑ ہی کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔ گویا تمام ائمہ اہلِ بیتؑ کی احادیث اور علم کا سرچشمہ جنابِ رسولؐ خدا کی ذات ہے جسے وہ حضرت علیؑ سے لے کر انہی کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔

رسولؐ خدا کا فرمانا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ علمِ دین کا سرچشمہ رسولِ خداؐ ہیں اور ان کا علم حضرت علیؑ اور ان کے

خلفاء ائمہ اہلِ بیتؑ کے ذریعے ہی مل سکتا ہے۔

؎ یک در بگیر محکم بگیر در فاطمہ بگیر

ترجمہ: ایک دروازہ تھام لو، مضبوطی سے تھام لو اور علیؑ و فاطمہؑ کا دروازہ تھام لو۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "تم مشرق مغرب گھوم جاؤ، حقیقی علم اگر مل سکتا ہے تو صرف ہمارے پاس سے مل سکتا ہے"۔ پھر آپ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔ (اصولِ کافی)

مسلکِ امامیہ کا یہی موقف ہے کہ خدا کے دیئے ہوئے علمِ رسولؐ کو حضرت علیؑ اور ائمہ اہلِ بیتؑ ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہی معتبر ترین ذریعہ ہے اس لئے کہ اہلِ بیتؑ کی طہارت اور پاکیزگی کا کلمہ خود قرآن نے آیۂ تطہیر کے ذریعے پڑھا ہے۔

خداوندِ عالم نے فرمایا "اللہ نے ارادہ کر لیا ہے کہ اے اہلِ بیتِ (رسولؐ)! خدا تمھیں ہر نجاست گندگی سے دور رکھے اور تمھیں ایسا پاک رکھے جو حق ہے پاک رکھنے کا"۔ (القرآن)

(بیان۔ سرکار آقائے مرزا مھدی پویاؒ)

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "میرے اہلِ بیتؑ کی مثال نوحؑ کی کشتی کی سی ہے جس پر جو سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے منہ موڑا وہ غرق ہوا تباہ ہوا۔"

(تفسیر امام رازی۔ تفسیر کشاف)

اس حدیث نے پوری طرح واضح طور پر ثابت کر دیا کہ نجات کا تعلق خدا کی اطاعت سے ہے اور خدا کی اطاعت آلِ محمدؐ کے بغیر ناممکن ہے، کیونکہ حضرت نوحؑ کی کشتی واحد ذریعہ نجات تھی۔ اس لئے اگر اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے تو ائمہ اہلِ بیتؑ کو

جاننا، پہچاننا اور ماننا لازمی ہے اور انہی سے خدا کا پیغام سیکھ کر خدا سے اطاعت کا تعلق قائم کرنا ضروری ہے۔ یہ تعلق قائم کرنا بالکل صحیح معنی میں ہدایت ہوگی اور کشتی نوحؑ پر سوار ہونے کے یہی معنی ہیں۔

بعض لوگوں نے اس حدیث کو کچھ اور رنگ دینا چاہا۔ انھوں نے کہا کہ کشتی تو سمندر میں ستاروں کے ذریعے راستہ تلاش کر کے آگے بڑھتی ہے اور ستارے اصحاب کرامؓ ہیں۔ یہ بات کہنے والوں نے حدیث کے الفاظ پر توجہ نہیں دی۔ اس حدیث میں عام کشتی کا ذکر نہیں ہے "کشتی نوحؑ" کا تذکرہ ہے جس کے لئے قرآن مجید نے صراحت سے کہا۔ "یہ کشتی اللہ ہی کے حکم سے چلتی ہے اور اللہ ہی کے حکم سے ٹھہرتی ہے"۔　　(سورۂ ھود)

حضرت امام علی نقیؑ نے ائمہ اہلِ بیتؑ کے لیے فرمایا: "جو تمھارے پاس آیا، وہ خدا کے پاس آیا، اور جس نے تم سے منہ موڑا، اس نے خدا سے منہ موڑ لیا"۔

(زیارت)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "ہم ہی خدا کا وہ چہرہ ہیں جس سے خدا کو پہچانا جاسکتا ہے اور خدا کی طرف متوجہ ہوا جاسکتا ہے"۔　　(اصولِ کافی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے معنی

امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا: "بسم اللہ" کے معنی استعین علیٰ امور کلھا باللہ (یعنی) میں اپنے تمام معاملات اور کاموں میں خدا سے مدد طلب کرتا ہوں۔

(کتاب التوحید شیخ صدوقؒ)

اللّٰہ

اللہ کا لفظ خدا کا اسمِ ذات ہے۔ یعنی خدا کی ذات کا proper name ہے۔ اس لیے یہ لفظ (اللہ) خدا کی تمام صفات وکمالات کو اپنے اندر سمیٹے اور گھیرے ہوئے ہے، اور ''رحمان ورحیم'' خداوندعالمین کی سب سے اہم صفات ہیں جو رحم سے مشتق ہیں اور صیغۂ مبالغہ ہیں۔ یعنی یہ الفاظ خدا کی صفت رحمانیت و رحیمیت کی شدّت اور قوت کو بتاتے ہیں کہ خداوند عالم سب پر بے حد و بے پناہ رحم کرنے والا بے حد اور مسلسل مہربانیاں کرنے والا ہے۔

(تفسیر مجمع البیان)

لفظ ''رحمان'' کا اطلاق صرف اور صرف خدا کی ذات پر ہوتا ہے، مگر رحیم کا لفظ خدا کے علاوہ غیر خدا کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے (امام راغب اصفہانی)۔

''رحمان'' یعنی (سب پر بے حد مہربان خدا) یہ رحمت تمام کائناتِ عالم سے متعلق ہے۔ یعنی خدا ہر کسی کو بے حد فائدے پہنچاتا ہے اور اپنی رحمانیت کی وجہ سے فیض اور فائدے پہچانے میں کافر مومن کا بھی فرق نہیں کرتا۔

مگر خدا کے رحیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ مومنین پر خاص توجہ اور خاص مہربانیاں فرماتا ہے۔ اس لیے خدا کے رحیم ہونے کا پورا پورا اظہار آخرت میں ہوگا، جہاں مومنین کو ان کے ایمان اور عمل کی وجہ سے خدا بے پناہ فائدے اور عظیم اجر عطا فرمائے گا، جس کا دنیا میں اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ (تفسیر مجمع البیان)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''رحمان'' کے معنی بلا امتیاز سب کو فیض اور

فائدے پہنچانے والا ہے اور رحیم کے معنی خاص کر مومنین پر بے حد و بے انتہا رحم کرنے والا۔ (فصل الخطاب)

ایک مغربی مفکر لکھتا ہے

یہ بات بڑی قابلِ غور ہے کہ خداوند عالم نے اپنے خاص نام "اللہ" کے فوراً بعد خود کو رحمان و رحیم فرمایا ہے۔ اسی پر لین پول (عظیم مغربی مفکر) لکھتا ہے: "لوگ یہ بات ہمیشہ بھول جاتے ہیں کہ قرآن خدا کی رحمت کی صفت پر کس قدر زور دیتا ہے جبکہ بائبل کا ابتدائی فقرہ یہ ہے کہ "شروع باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے"۔ یہاں شروع ہی سے تثلیث کا گورکھ دھندا سامنے آتا ہے جس کا سمجھنا عقل کو خدا حافظ کہے بغیر ممکن ہی نہیں ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہم کو سب سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے کی تعلیم دے رہا ہے۔

اس طرح ہمیں سمجھایا جا رہا ہے کہ اپنے ہر کام کی ابتداء اللہ کے نام سے مدد مانگتے ہوئے کرنی چاہئے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ (۱) انسان کے کاموں میں خدا کی مدد شامل ہو جاتی ہے اور اس لیے وہ کام مکمل اور کامیاب ہوتا ہے۔ (۲) انسان اگر خدا کا نام لے کر ہر کام شروع کرتا ہے تو وہ بُرے کام سے رکا رہے گا۔ اس لیے کہ بُرا کام خدا کا نام لے کر شروع نہیں کیا جا سکتا۔ (۳) لازماً وہ اچھا کام کرے گا اور اس کی ابتداء خدا کا نام لے کر کرے گا۔ اس لئے خدا کی مدد اور برکت اس کا ہاتھ تھام لے گی۔ کیونکہ خدا کا قانون یہ ہے کہ جب انسان خدا کی طرف توجہ کرتا ہے تو خدا بھی اس

کی طرف توجہ فرماتا ہے۔ کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ "تم میرا ذکر کرو تو میں تمھیں یاد کروں گا"۔ (القرآن)

دعا مانگنے کا مہذب طریقہ

سورۂ فاتحہ نے دعا مانگنے کا مہذب طریقہ سکھایا ہے۔ یہ کوئی تہذیب نہیں ہے کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطلب پیش کر دیا جائے۔ عقل و تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے مدد مانگ رہے ہو پہلے اس کے پچھلے احسانات کا شکرادا کرو، یعنی سب سے پہلے اس کی تعریف کرو۔ تعریف اس لیے کرو کہ خدا کی تمام صفات بالکل مکمل بلکہ اکمل ہیں۔ وہ ہر نقص سے پاک ہے۔ وہ ہر حسن اور کمال کا مالک ہے، اس لیے لائق تعریف ہے۔ دوسرے اس لیے بھی اس کی تعریف سے بات شروع کرو کہ وہ ہمارا سب سے بڑا محسن ہے۔ اس لیے جذبہ شکر کے ساتھ اس کی تعریفیں کرو۔ یہی تعریف کرنا اس کی قدر شناسی کا بھی تقاضا ہےاور ہماری احسان شناسی کا بھی۔

پھر یہ کہ بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اللہ قابلِ تعریف ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ تمام تعریف اللہ کے لئے ہے یعنی کائنات میں جہاں بھی اور جس چیز میں بھی کوئی خوبی حسن یا کمال ہے، وہ صرف اور صرف اللہ کے عطا کی وجہ سے ہے۔ اس لئے تمام کمالات اور حسن کا اصل سرچشمہ خدا کی ذات ہے۔ کسی انسان کسی فرشتے، انسان، جن، کسی روح، کسی دیوتا، کسی مخلوق میں کوئی کمال اس کا ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ کی عطا کی وجہ سے ہے، اس لئے اگر کوئی ذات اس لائق ہے کہ اس کی غلامی، عبادت اور پرستش کی جائے، اس کے لیے جیا مرا جائے، تو وہ صرف اور صرف خدا کی ذات ہے،

کیونکہ حقیقت میں صرف خدا ہی تمام حسن وکمالات کا خالق و مالک ہے اور سب کے سب اس کے محتاج ہیں کہ وہی سب کا پالنے والا مالک ہے۔

یہ بات سمجھنے کے بعد شرک، کفر، مخلوق پرستی، بت پرستی، دیوتا پرستی، زر پرستی، بادشاہ پرستی، سرمایہ پرستی کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

(تفہیم القرآن از مولانا مودودی)

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

توحید تو یہ ہے کہ خدا، حشر میں کہہ دے یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

(اقبال)

حضرت علیؑ سے پوچھا گیا کہ کیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کا جز و یا حصہ ہے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا: "یقیناً۔ رسولؐ خدا ہمیشہ یہ آیت پڑھا کرتے تھے اور اس کو سورہ حمد کا حصہ شمار کرتے تھے۔ (عیون اخبار الرضاؑ)

حضرت امام جعفر صادقؑ ہر نماز میں چاہے وہ آہستہ ہی کیوں نہ پڑھی جائے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس آیت کا بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔ (تفسیر نور الثقلین جلد اوّل)

سرکار آیت اللہ حضرت آقا پویاؒ نے فرمایا: "جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے کہ نماز نہیں ہوتی بغیر سورۂ فاتحہ کے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے"۔

اس حدیث رسولؐ سے یہ ثابت ہو گیا کہ (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا حصہ ہے۔ (۲) نماز میں اس کا پڑھنا ضروری ہے۔

اس لئے ائمہ اہلِ بیتؑ ہمیشہ نماز میں سورہ فاتحہ با آوازِ بلند پڑھتے تھے اور اکابرِ

صحابہؓ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سورۂ فاتحہ کا حصہ ہے، بلکہ قرآن کی تمام سورتوں کا حصہ ہے سوائے سورۂ برأت کے۔

البتہ امام ابوحنیفہ نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ بسم اللہ آہستہ دل میں پڑھیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا حصّہ نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی)

جبکہ تفسیر در منثور میں لکھا ہے کہ جناب رسولؐ خدا کی موجودگی میں ایک شخص نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھے بغیر ہی نماز شروع کر دی۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: "اس کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورفاتحہ کا حصہ ہے"۔

(تفسیر در منثور امام سیوطی)

ایک مرتبہ امیر شام نے امامت کرتے ہوئے سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی تو نماز کے بعد لوگوں نے اتنا شور مچایا کہ امیر شام نے وہی نماز دوبارہ پڑھائی اور بسم اللہ جو پہلے چھوڑ دی تھی اس کو پڑھا۔

(تفسیر کبیر امام رازی، کنز العمال)

بسم اللہ کا دوسرا مطلب

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: جب کوئی شخص بسم اللہ کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں اپنے آپ پر اللہ کی نشانی لگا رہا ہوں یعنی میں اللہ سے اپنا تعلق غلامی قائم کر رہا ہوں اور یہی عبادت ہے"۔

(حضرت امام علی رضاؑ۔ بروایت علی بن فضال۔ از عیون اخبار الرضاؑ)

اللہ کی ذات یا لفظ

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اللہ کا لفظ اِلٰہ سے بنا ہے۔ اللہ سے مراد وہ ذات ہے جو تمام چیزوں کی خالق ہے اور مالک ہے اور اسم (نام) ہمیشہ مسمّٰی (جس کا نام ہو) کا غیر ہوتا ہے۔ اس لئے جس نے اللہ کے لفظ کے معنی کو چھوڑ کر صرف لفظ اللہ کی عبادت کی تو اس نے کفر کیا۔ بلکہ اس نے کسی چیز کی بھی عبادت نہیں کی اور جس نے اللہ کے نام اور معنی (مسمّٰی) دونوں کی ملا کر عبادت کی اس نے شرک کیا اور جس نے اللہ کے نام کا لفظ چھوڑ کر صرف اللہ کے معنی (یعنی خدا کی ذات) کی عبادت کی تو یہ توحید ہے۔ نیز یہ کہ اللہ کے نام ہیں۔ اگر ہر اسم مسمّٰی ہوتا تو پھر اللہ کا ہر نام معبود قرار پاتا۔ اصل میں اللہ کے سارے نام اللہ کی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(تفسیر نور الثقلین)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''اللہ کو اس کے ناموں سے پکارا جاتا ہے جبکہ اللہ اپنے ناموں کے علاوہ الگ ذات ہے۔ اس کے نام اس کی ذات سے الگ ہیں۔

(تفسیر نور الثقلین)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''بسم اللہ کا ''ب'' سے اصل مراد بھا اللہ (یعنی) اللہ کا ہمیشہ ہمیشہ رہنا اور اس کی شان و شوکت اور رونق ہے۔ بسم اللہ کی ''س'' سے اصل مراد سناء اللہ (یعنی) خدا کی روشنی اور نور ہے اور ''میم'' سے اصل مراد مجد اللہ یعنی اللہ کی عزت بزرگی، حرمت اور بڑائی ہے اور اس سے مراد اللہ کا ''مُلک'' (سلطنت) بھی ہے۔

اللہ کی معرفت

امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: ''اللہ اس ذات کو کہتے ہیں۔(۱) جس کی طرف تمام مخلوقات اپنی حاجتوں کے لئے رجوع کریں۔(۲) اور جب دنیا وآخرت کے، تمام اسباب کٹ جائیں یعنی کام نہ کریں تو اس حالت میں جس ذات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اس کو اللہ کہتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی بندہ بسم اللہ کہتا ہے تو اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں اپنے تمام کاموں اور معاملات میں اللہ سے مدد مانگتا ہوں، اُس اللہ سے جس کے سوا کوئی عبادت اور غلامی کے لائق نہیں۔(۳) اور اللہ وہ ہے کہ جب بھی اس سے فریاد کی جاتی ہے تو وہ ضرور مدد کرتا ہے اور جب اس کو پکارا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے۔

(معانی الاخبار: شیخ صدوقؒ)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں اللہ کو کس طرح جانوں پہچانوں؟

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: کیا تم نے کبھی کشتی پر سفر کیا ہے؟ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کشتی سمندر میں ٹوٹ گئی ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں ایسا ہوا ہے۔ فرمایا۔'' کیا اس حالت میں تمھارے دل میں کسی سے امید باقی تھی؟ تمھارے دل میں اس وقت کسی کا کوئی سہارا محسوس ہوا تھا؟ کیا تم نے اس وقت سوچا تھا کہ کوئی ہے جو اس عالم میں بھی چاہے تو مجھے بچا سکتا ہے؟

اس نے کہا کہ ''ہاں''۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''بس وہی خدا ہے جو وہاں بھی نجات دے سکتا ہے جہاں کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ جو وہاں بھی مدد کرسکتا ہے جہاں کوئی مدد نہیں کرسکتا، کیونکہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

(تفسیر نور الثقلین، کتاب التوحید)

ناخدا جس کا نہ ہو اس کا خدا ہوتا ہے

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: ''میں نے خدا کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا ہے''۔

(نہج البلاغہ)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اللہ خدا کی ذات پاک کا سب سے بڑا نام ہے اور یہ لفظ صرف اور صرف اللہ کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو اللہ نہیں کہہ سکتے''۔

سائل نے پوچھا اللہ کون ہے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''جب تمام امیدیں ٹوٹ جائیں اور تمام وسائل بے کار ہوجائیں، تو سب مخلوقات سے ناامید ہوکر جس خالقِ حقیقی کی ذات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اسی ذات کو ''اللہ'' کہتے ہیں''۔

یہ اور بات ہے کہ

یہ اور بات ہے کہ جب ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو پھر لوگ شرک کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے خدا نے بندوں سے فرمایا۔ ''اے میری رحمت کے ضرورت مندو۔ میں نے ہر حال میں تم پر اپنی عبادت اور غلامی کو لازمی قرار دیا ہے۔ اگر تم ہر حال میں

میرے غلام بنے رہو تو پھر تمھیں جس چیز کی بھی ضرورت ہوگی، اس کے لئے میری طرف رجوع کرنا۔ اگر میں تمھیں دینا چاہوں گا تو پھر میری نعمت کو تم سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر میں تمھیں نہ دینا چاہوں گا تو میرے سوا تمھیں کوئی کچھ نہ دے سکے گا۔ اس لئے صرف میری ذات اس بات کی مستحق ہے کہ مجھ سے سوال کیا جائے۔ صرف میں ہی اس لائق ہوں کہ مجھ سے دعا کی جائے، میرے سامنے گڑگڑایا جائے۔ اس لئے تم اپنے ہر چھوٹے بڑے کام کو شروع کرتے وقت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھا کرو۔

اللہ کے نام سے مدد

بسم اللہ کا مطلب یہ ہے کہ میں خدا کے نام سے مدد طلب کرتا ہوں۔ اس خدا سے مدد طلب کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ خدا وہ ہے کہ جب بھی اس سے مدد طلب کی جاتی ہے تو وہ ضرور مدد کرتا ہے اور جب اسے پکارا جاتا ہے وہ ضرور جواب دیتا ہے، کیونکہ وہ سب پر بڑا رحم کرنے والا مہربان (رحمان) ہے۔ وہی ہمارے لئے رزق کو بڑھاتا ہے۔ پھر آخرت میں بھی وہی خدا ہم پر رحم کرے گا۔ اسی خدا نے ہمارے دین کو آسان بنایا ہے اور وہی خدا آخرت میں ہمیں اپنے دشمنوں سے الگ کر کے ہم پر خاص رحم فرمائے گا۔

(تفسیر نور الثقلین، جلد اوّل)

جب اللہ کو دیکھا نہیں جا سکتا تو......

حضرت امام علی رضاؑ سے کسی شخص نے پوچھا کہ جب خدا کو دیکھا ہی نہیں جا سکتا تو پھر میں خدا کو کیسے مانوں؟ آپ نے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا کہ یہ

مکان دیکھ رہے ہو؟

اس نے اس مکان کو غور سے دیکھا اور کہا کہ کس قدر خوبصورت مکان ہے! اس کا مالک کس قدر اعلیٰ ذوق کا مالک ہے؟ اس کا نقشہ بنانے والا کتنا ماہر ہے! اس مکان کا بنانے والا مستری کس قدر زبردست مہارت رکھتا ہے! وہ بہت دیر تک کاریگر اور مالک مکان کی تعریفیں کرتا رہا۔

پھر امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: کیا تم نے اس مکان کے مالک کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں میں تو مسافر ہوں۔ پوچھا کہ کاریگر کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پوچھا کیا نقشہ بنانے والے کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر تم نے ان کی اس قدر تعریفیں کیسے کر دیں؟

اس نے کہا حضور میں نے اگرچہ مالک مکان یا کاریگر کو نہیں دیکھا مگر اس کے کام کو تو دیکھا ہے۔ اس کا کام دیکھ کر اس کی تعریفیں کر رہا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے صرف ایک مکان دیکھ کر اس قدر تعریفیں کر دیں تو پھر تم نے زمین و آسمان کی اس قدر عظیم تخلیقات کو دیکھ کر اس کے خالق کو کیوں نہیں پہچانا؟

(اصول کافی)

ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لئے
اگر رسولؐ نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

(جوش ملیح آبادی)

اللہ کی نشانیاں

اللہ کو پہچاننے کا ذریعہ اس کی تخلیقات ہیں۔ ہم انجینئر کو اس کے کام سے پہچانتے ہیں۔ ڈاکٹر کو اس کے نسخے اور علاج سے پہچانتے ہیں۔ استاد کو اس کے لیکچر سے پہچانتے ہیں۔ مصور کو اس کی تصویر سے، مقرر کو اس کی تقریر سے پہچانتے ہیں۔ شاعر کو اس کے اشعار سے اور مصنف کو اس کی تصنیفات سے پہچانتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ کو بھی ہم اس کی تخلیقات سے پہچان سکتے ہیں۔ اللہ کی ہر تخلیق اللہ کی آیت یا نشانی یا اُس کے وجود کی علمی دلیل ہے اس لئے اللہ کی تخلیقات پر غور و فکر کرنا سب سے افضل عبادت ہے۔

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: "لیست العبادة كثرة القيام و كثرة السجود . بل العبادة التدبر فی خلق الله"۔

ترجمہ: عبادت یہ نہیں ہے کہ کثرت سے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائے یا سجدے کئے جائیں بلکہ عبادت یہ ہے کہ اللہ کی تخلیقات یا آیتوں پر غور کیا جائے (الحدیث۔ اصولِ کافی) نیز فرمایا: "ایک گھنٹہ خدا کی تخلیقات اور آیتوں پر غور و فکر کرنا، ستر (۷۰) سال عبادت کرنے سے افضل ہے"۔ (الحدیث۔ اصولِ کافی)

انسان کے شرف کی بنیاد

انسان کا اصل شرف اس کی عقل کی وجہ سے ہے ورنہ انسان کے پنجے شیر کے پنجے سے زیادہ طاقتور نہیں۔ انسان کے پیر ہاتھی کے پیروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، انسان کی آنکھیں پرندوں کی آنکھوں سے کمزور ہیں۔ پھر انسان اُڑ بھی نہیں سکتا۔ مگر وہ اشرف المخلوقات صرف اس لئے ہے کہ اس کو اللہ نے عقل دی ہے۔ یہی عقل انسان کے

شرف کی بنیاد ہے۔اس لئے سب سے افضل عبادت وہی ہوگی جو عقل کے ذریعے کی جائے گی اور وہ عبادت خدا کی تخلیقات اور آیات پر غور وفکر کرنا ہے۔ البتہ اللہ کی مخلوقات وتخلیقات پر غور وفکر واجبات دین پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ہونا چاہیے۔

(مؤلف)

لفظ "اللہ"

(بیان حضرت آیت اللہ مرزا مہدی پویاؒ)

اللہ کا لفظ اِلـہٗ سے بنا ہے جو اسمِ خاص کا اختصار ہے۔ یہ لفظ عبرانی زبان سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو uluhim سے قریب تر ہے۔ یہودی خدا کو اللھم کہتے تھے۔ جب انسان دیوی دیوتاؤں کے جادو سے باہر آیا تو اس نے کسی اعلیٰ ذات کا تصور کیا جو اس کے اپنے بنائے ہوئے فرضی خداؤں سے بالاتر ہو۔ پھر انسان نے اس اعلیٰ ہستی کی کھوج شروع کی۔ تب اللہ کا لفظ رائج ہوا۔ جو کسی اعلیٰ ہستی کے لئے بولا گیا۔

اِلـہٗ کے اصل معنی بے حد حیران ہونے کے ہیں۔ اس لئے اللہ کے معنی ایسی بلند ہستی کے ہیں جو علمی حدود سے باہر ہو اور بے حد حیران کرنے والی ہو۔ پھر بالآخر انسان نے اپنی بے بسی کا اعتراف کرلیا کہ ہم اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود اس ہستی کے بارے میں کچھ جان نہیں سکتے۔

اسی لئے حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "اللہ کو اس کی تخلیقات سے سمجھو۔ اس کی ذات کو سمجھنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی ذات کی حقیقت کیا ہے؟"

(الحدیث)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اللہ اعلیٰ ترین ہستی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ اور کہاں ہے؟ بس وہ اعلیٰ ہے اور ارفع ہے۔ (دعائے مشلول)

غرض اللہ کا نام ایک بالاتر ہستی کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو ساری کائناتِ عالم پر محیط ہے۔ جو سب کچھ جاننے والا ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کے جیسا یا اس کے برابر کوئی دوسرا نہیں۔ اس کا کوئی مددگار نہیں۔ نہ اس کا کوئی ساتھی یا ساجھی یا شریک ہے۔

سارے کے سارے اچھے نام اور تصورات وصفات اسی کے لئے ہیں۔ تمام کائنات پر اسی کی حکومت ہے۔ صرف اس کی مرضی اور اس کا حکم ساری کائنات پر جاری و ساری ہے۔

وہ سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہے۔ سب کو بے حد فیض اور فائدے پہنچانے والا، سب پر رحم اور بے حد کرم کرنے والا مہربان ہے۔ وہ ازلی، ابدی، سرمدی، دائمی اور لازمی ہے۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہ از خود کامل ہے اور مطلق ہے۔ ایک لازمی ابدی اور سرمدی ہستی ہے۔ اس کے اسمائے حسنیٰ (اچھے اچھے نام) ہیں جو اس کی صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔

رحمان ایک عالم الغیب کی ذات کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں سب کو فیض اور فائدہ پہنچانے کی صفت اور رحم کی اعلیٰ صفت پائی جاتی ہے۔ یہ اللہ کا حسن و جمال ہے، یہ اس کی صفت ہے کہ وہ تمام مخلوقات پر رحم کرتا ہے، چاہے وہ اس کی اطاعت کریں یا نہ کریں۔ پھر وہ رحیم بھی ہے یعنی اطاعت کرنے والوں پر خاص مہربانیاں فرماتا ہے۔ اس کا رحم نیک انسان کے لئے اس کا انعام ہے جو وہ نیک لوگوں کو عطا فرماتا ہے۔

رحمان زیادہ قابلِ فہم خدا کی صفت ہے. جو خدا کے آفاقی لطف وکرم کو ظاہر کرتی ہے۔

سورہ فاتحہ بار بار سمجھ کر پڑتے رہنے سے اللہ اور رسولؐ پر انسان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور اللہ کی مدد ملتی ہے۔ آخرکار جب کسی چیز کا یقینِ کامل ہو جاتا ہے تو پھر وہ چیز اگرچہ ظاہراً آنکھوں سے اوجھل ہو مگر حقیقتاً وہ دل ودماغ اور پورے وجود کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؑ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے کبھی ایسے خدا کی عبادت نہیں کی جس کو میں نے دیکھا نہ ہو۔ مگر خدا کو بصارتِ ظاہریہ (ظاہری آنکھوں) سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ دل اور عقل کی بصیرتِ ایمانیہ سے دیکھا جا سکتا ہے"۔ (بحارالانوار جلد ۴)

اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے بعد

اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اور یہ جان لینے کے بعد کہ اللہ رحمان ورحیم ہے، سب کو فیض وفائدہ پہنچانے والا ہے، تمام جہانوں کا پالنے والا مالک ہے، ہر نفع نقصان کا مالک ہے۔ بدلے کے دن کا مالک ہے تو، ایسی عظیم قوت کو مان لینے کے بعد فطرتاً انسان اس کی غلامی اور اس سے مدد مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھ لیتا ہے کہ ایسا عظیم پالنے والا مالک ہی اس کی ہر ضرورت اور خواہش کو پورا کر سکتا ہے۔ اس لئے اس مقامِ معرفت پر آکر انسان سب سے پہلے خدا کی عبادت اور اطاعت کرنے کے لئے خدا کی مدد مانگتا ہے اس لئے کہ جب تک اللہ کی توفیق اور مدد شاملِ حال نہ ہو، ہم اللہ کی اطاعت پر قادر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اولاً اطاعت کرنا خود

ایک مشکل کام ہے۔ پھر شیطان پوری طاقت سے ہمیں خدا کی اطاعت سے روکتا ہے۔ ہم اس لئے بھی خدا سے مدد مانگتے ہیں کہ کہیں ہمیں یہ خیال نہ ہو جائے کہ ہم عبادت کی اعلیٰ منزلوں پر پہنچ کر کوئی بڑے عابد، زاہد اور عارف بن گئے ہیں۔ اس تکبر کو ختم کرنے کے لئے بھی ہم خدا سے مدد مانگتے ہیں تا کہ ہم یہ بات جان لیں کہ ہمیں خدا کی عبادت کی جو یہ توفیق حاصل ہوئی ہے، یہ اللہ ہی کی عطا سے ہوئی ہے۔ یہ اس کا ہم پر خاص فیض و کرم ہے۔ (تفسیر انوار النجف)

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

جمع کے صیغے

سورہ حمد میں ہمیں جمع کے صیغے استعمال کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف تیری غلامی کرتے ہیں، صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یہ اس بات کی تعلیم دینے کے لئے ہے کہ ہم پر لازم ہے کہ ہم مل جل کر رہیں اور خدا کی عبادت کریں، دوسروں کا بھلا چاہیں، دوسروں کو اپنی دولت، نعمت اور دعاؤں میں شریک کریں، نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں، ہمیشہ معاشرے میں ایک دوسرے کے کام آئیں۔ ایک دوسرے کے غم بانٹیں اور خوشیوں میں شریک ہوں۔

(تفسیر کبیر امام رازی)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”خدا کی مخلوق خدا کی عیال ہے اور خدا کو سب سے زیادہ وہ بندہ پسند ہے جو خدا کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کو فائدہ پہنچاتا ہے“۔

(الحدیث)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بآوازِ بلند پڑھنا چاہیے

امام فخرالدین رازی نے تفسیرِ کبیر جلد ۱ ص ۱۶۰ مطبوعہ مصر میں لکھا کہ "حضرت علی علیہ السلام "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو بہ آوازِ بلند پڑھتے تھے۔ اس لئے بنی امیہ نے جو حضرت علیؑ کے آثار کو مٹانا چاہتے تھے۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو پڑھنا ہی چھوڑ دیا، جب کہ حضرت علیؑ اپنی تمام نمازوں میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" بہ آوازِ بلند پڑھتے تھے۔ (تفسیر امام رازی جلد ۱ ص ۱۶۰ طبع مصر)

بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابوھریرہؓ سے روایت کہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو بہ آوازِ بلند پڑھا کرتے تھے۔ (بیہقی سنن کبریٰ)

اَللّٰہ

سورۂ حمد اور اللہ کی معرفت

(بیان حضرت آقائے مرزا مہدی پویاؒ)

امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے "اللہ" کا لفظ الہٰ سے بنا ہے اور الہٰ آلہت سے مشتق ہے۔ یعنی وہ ذات جس سے سکون ملے۔ اسی لئے عقلیں خدا کے ذکر کی طرف فطرتاً مائل ہیں۔ اور روحیں اس کی طرف بلند ہونے سے سکون پاتی ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ الہٰ کا لفظ الولہ سے مشتق ہے، جس کے اصل معنی عقل کا چلا جانا ہے۔ یعنی اللہ کی ذات ایسی حیرتناک عظیم ذات ہے کہ اس کی ذات کو سمجھنے سے عقل قاصر ہے۔ ان لوگوں کے سوا جن کو اللہ خود یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ اللہ کو اس کی اعلیٰ صفات کے ذریعہ پہچان سکیں ورنہ حقیقتاً ساری مخلوقات خدا کی معرفت حاصل کرنے میں

حیران و پریشان اور سرگرداں ہیں۔ مگر یہ بھی ضرور چاہتے ہیں کہ اس کو جانیں پہچانیں اس لئے اللہ کی ذات سب کا مطلوب، مقصود، محبوب اور معبودِ برحق ہے۔ اب جو ارواح اللہ کی معرفت حاصل کر لیتی ہیں وہ اللہ سے واصل ہو جاتی ہیں۔ وہ عالمِ انوار میں چلی جاتی ہیں۔ پھر وہ عالمِ کرامات میں مگن رہتی ہیں۔

کچھ ماہرین کا خیال یہ بھی ہے کہ الـہ' لاہ یلوہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی حجاب میں رہنا ہوتا ہے، چھپا ہونا، عقلوں سے دور ہونا بھی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ خدا کی ذات حجاب میں ہے۔ اس کی ذات کو سمجھنا ممکن نہیں۔ ہم صرف اس کو اس کی صفات اور کاموں سے جان سکتے ہیں۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ الٰہ کا اشتقاق الـہ الفیصل سے ہے یعنی اونٹنی کا وہ بچہ جو اپنی ماں سے بچھڑ گیا مگر وہ اس کی محبت میں غرق ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات وہ ذات ہے کہ اس کے بندے اس کے عاشق ہیں۔ اس کے متلاشی ہیں۔ اس کے سامنے جھکنا چاہتے ہیں۔ اس کی اطاعت اور قرب چاہتے ہیں۔ اس کی پرستش اور عشق چاہتے ہیں۔　(تفسیرِ کبیر امام رازیؒ۔ جلد اوّل)

سورۂ حمد کی تلاوت کے اثرات

غرض سورۂ حمد پڑھنے کی وجہ سے سب سے پہلے انسان کو خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ سب سے پہلے اللہ کا نام آتا ہے جو اللہ کی تمام صفات کا جامع ہے۔ پھر رحمان و رحیم کہنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کی ذات ہر فیض و عطا کا سرچشمہ ہے۔ پھر رب العالمین کہنے سے وہ جان جاتا ہے کہ تمام جہانوں کا پالنے والا مالک

اللہ ہے۔ پھر دوبارہ رحمان و رحیم کہنے سے انسان جانتا ہے کہ اللہ دنیا و آخرت دونوں میں رحم کرنے والا، بے حد مہربان ہے۔ اس کی نعمتیں عطائیں بے حد و بے انتہاء ہیں۔ یہ بات جان لینے کے بعد فطری طور پر انسان کے اندر خداوندِ عالم کی بڑائی کا احساس بیدار رہتا ہے اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جس کا آخر نتیجہ یہ ہے کہ اللہ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور مالک یوم الدین پڑھنے سے اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت اور خوف خدا کی نعمتوں پر ہمارا احساس، شکرِ نعمت ایمان کی حقیقت ہے۔ جس کا منطقی نتیجہ خدا کی عملاً اطاعت ہے۔ یہی اللہ کی عملاً اطاعت انسان کو اللہ کے خاص بندوں یعنی صاحبانِ نعمت سے ملا دیتی ہے۔ جیسا کہ خداوندِ عالم نے خود فرمایا ہے۔ ”جو اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی تو ایسے تمام لوگ (ہمیشہ) ان کے ساتھ رہیں گے جو نعمتوں والے ہیں (یعنی) نبیینؑ، صدیقینؑ، شہداء اور صالحین اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں“۔

(قرآن۔ سورۂ نساء)

امام رازی نے لکھا: ”جس نے حضرت علیؑ کی پیروی کی اس نے ہدایت پائی کیونکہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے“ ”اے اللہ! حق کو اس طرف پھیر دے جس طرف تو علیؑ کو پھیر دے“۔ (تفسیر کبیر رازی جلد ۱ ص ۱۶۰)

صرف اس مسئلے میں ہی کیوں؟

پس امام رازی کی خدمت میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ صرف اس ایک مسئلے میں ہی کیوں؟ سارے دینی امور میں حضرت علیؑ ہی سے رہنمائی لینی چاہیے کیونکہ

ان کو رسولِ خدا نے اپنے علم کا دروازہ قرار دیا ہے۔ نیز یہ کہ سارا اختلاف اس بات پر ہے کہ رسولِ خدا کے بعد دین کی تعلیمات صحابۂ کرامؓ سے لی جائیں یا اہلِ بیتؑ رسولؐ سے لی جائیں؟ سارے اختلاف کا اصل مرکز یہی نقطہ ہے کہ بعد رسولؐ صحابہ کرامؓ سرچشمہ ہدایت ہیں یا اہلِ بیتؑ رسولؐ؟

اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کے بعد حضرت علیؑ کو مرکزِ ہدایت مان لیا جائے اس لئے کہ حضرت علیؑ صحابۂ کرامؓ میں بھی افضل فرد ہیں اور اہلِ بیت رسولؐ میں بھی۔ اس لئے حضرت علیؑ ہی وہ واحد ذات ہیں جو اتحاد و اتفاق کا مرکز بن سکتے ہیں۔ اسی لئے جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا تھا کہ "میں علم کا شہر ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہیں"۔ (ترمذی شریف)

رسولِ اللہؐ نے یہ بھی فرمایا: "اگر تم علیؑ کو میرے بعد میرا جانشین مان لوگے تو وہ تمہیں بالکل سیدھے راستے پر چلائیں گے"۔

جنابِ رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا: "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میری زندگی جئے اور میری موت مرے، اس کو چاہیے کہ علی ابنِ ابی طالبؑ کو اپنا رہنما، سرپرست اور حاکم بنائے۔ (ترمذی صواعق محرقہ ابن حجر مکی)

شعائر اللہ کی تعظیم

عبادت صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے لیکن شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ فرمایا۔ "شعائر اللہ (جن سے اللہ کے بارے میں شعور بیدار ہو) کی تعظیم کرنا ہی دلوں کا تقویٰ ہے" (القرآن)

معلوم ہوا کہ صفا و مروہ، حجرِ اسود، مقامِ ابراہیمؑ تمام انبیائے کرامؑ اور ائمہ اہلِ بیتؑ کی تعظیم کرنا' ان کی عبادت کرنا نہیں ہوتا۔ اگر ان کی تعظیم کرنا ان کی عبادت کرنے کے مترادف ہوتا تو یہ شرک ہوتا اور اللہ تعالیٰ شرک کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟

بلکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدا شعائر اللہ کی تعظیم کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ اس لئے ان کی تعظیم کرنا اللہ کے حکم کی تعظیم کرنا ہے۔ جس طرح ملائکہ نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا تھا لیکن وہ شرک نہ تھا۔ کیونکہ اگر وہ شرک ہوتا تو خدا فرشتوں کو آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم نہ دیتا۔ بلکہ آدمؑ کو سجدہ کرنا واجب تھا کیونکہ وہ اللہ کا حکم تھا اور اصل عبادت یہی ہے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کی جائے۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کی یادگاروں کی تعظیم کرنا اللہ کو پسند ہے تو سید الانبیاء جناب رسولِ خدا کی نشانیاں، اور اولاد کی تعظیم کرنا بدرجہ اولیٰ اللہ کو پسند ہوگا۔

(تفسیر فصل الخطاب)

اگر حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد منانا خدا کو پسند ہے تو جناب ختمی مرتبتؐ کی قربانی راہِ حق میں امام حسنؑ و امام حسینؑ کی قربانی کی یاد منانا یقیناً افضل عمل ہے۔

(تفسیر انوار النجف)

اسی طرح قرآن میں ارشاد ہوا کہ کس کی مجال ہے کہ خدا کے سامنے شفاعت کر سکے سوا ان کے جن کو خدا نے اجازت دی ہو تو اس آیت کی بناء پر جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: ''میں شفاعت کروں گا اور گناہانِ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا''۔

الرحمٰن الرحیم

(بیان حضرت آقائے مرزا احمدی پوپاؒ)

خداوند عالم ہم سب کو اپنا فضل وکرم، رحمتیں اور عنایتیں ہر دم عطا فرما رہا ہے تا کہ ہمارا امتحان لے اور ہمیں عدل و انصاف کے ساتھ اس کا اجر دے۔ یہی اس کی صفتِ رحمانیت و رحیمیت کا اظہار ہے۔ اللہ کا لطف وکرم اور اس کا عدل دونوں علیحدہ علیحدہ صفات ہیں مگر یہ دونوں صفات ایک دوسرے کے بغیر تصور ہی نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے اللہ کے نظامِ قدرت میں توحید کے بعد عدل کا مقام ہے۔ اس لئے ہر ہستی تمام حالات میں خداوند عالم کی فیاضیوں، لطف وکرم، مہربانیوں اور انصاف و عدل کو ظاہر کرتی ہے۔ رہے دنیاوی مذاہب کے نظریاتی قیاسات تو ان کی بنیاد لاعلمی اور کم ہمتی پر ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا لطف وکرم، اور اس کا عدل و انصاف دو مختلف صفات یا مزاج ہیں، یہ ایک باطل مفروضہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا مبلغ علم صرف دنیا تک محدود ہے۔ آخرت کے نتائج کو نہیں جانتے۔

زندگی کی تخلیق

زندگی کی تخلیق.... اللہ کی رحمانیت ہے کہ مخلوقات کو دیکھ کر ہم اس کے خالق یعنی اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اللہ کی ذات بلا شبہ ایک اعلیٰ ترین ہستی ہے اور اس کے پیار و محبت کے مظاہرے بے حد ہیں جو مسلسل جاری و ساری ہیں کیونکہ اس کی مرضی سے اس کے فیصلے اٹل اور قطعی ہوتے ہیں۔ وہ خالق بھی ہے اور سب کا پالنے والا مالک بھی ہے۔ سب کچھ جانتا بھی ہے اور جو چاہے وہ کر بھی سکتا ہے۔ مگر اس کے

باوجود وہ سب کا محسن اور سب پر بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اس کی محبت سب کے لئے عام ہے کیونکہ وہ سب کا خالق اور عظیم ترین مالک ہے۔ پوری کائنات صرف اور صرف اس کے رحم و کرم کے سہارے قائم ہے۔ اب کیونکہ وہ سچا اور بے حد فیاض ہے اس لئے ہم اس پر مکمل اعتماد کر سکتے ہیں۔

یہی اللہ پر بھروسا کرنا اور اللہ سے دلی محبت کرنا ہمیں امن و آشتی، بھائی چارہ اور عدل و انصاف کی طرف لے جاتا ہے جو معاشی فلاح اور سیاسی استحکام اور کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ پھر اللہ کی پہچان، ایمان اور بھروسا کرنے کی وجہ سے انسان اللہ کی عملاً اطاعت کرتا ہے اور اس طرح ہر قسم کی نیکی انسان کی زندگی میں داخل ہو جاتی ہے کیونکہ خدا خیر کل ہے۔ اس لئے اس کا ہر حکم خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ دین اسلام انسانیت کو ہدایت اور اصلاح کا درس دیتا ہے جو اسلام کا بنیادی مقصد ہے۔

انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ولنبلونکم یعنی امتحان لینا ہے اور امتحان لینے سے پہلے تعلیم دینا بیحد ضروری ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن ہمیں تمام برائیوں سے روکتا ٹوکتا ہے۔ ظالموں کو بار بار تنبیہ کرتا ہے۔ ظلم اور گناہ کا برا انجام بتاتا ہے اور پھر ہمیں اپنے پالنے والے مالک کو خوش کرنے اور اس سے جڑے رہنے کا راستہ بھی دکھاتا ہے۔ یہی ہدایت ہے جس پر ہماری کامیابی کا دارومدار ہے۔

مگر غیر معقول مفاد پرست، خود غرض لوگ اپنے مفادات کی خاطر اپنے خیالی خدا گھڑتے ہیں۔ پھر لوگوں کو ان سے ڈرا دھمکا کر ان کی پرستش کرواتے ہیں۔ لوگوں کو توھمات کا شکار بنا کر ان سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ اس طرح غلط عقائد اور غیر فطری نظام رائج کرتے ہیں جو تمام انسانیت کو غلامی اور گمراہی میں دھکیل دیتا ہے۔

کفر و شرک کا یہ سلسلہ صدیوں سے جاری و ساری ہے جو ابلیس کی کارستانی ہے۔ اسی سے طاغوتی قوتیں وجود میں آتی ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل تا امروز　　چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اسی لئے خداوند عالم نے ہدایت کا سلسلہ انبیاءِ کرامؑ کے ذریعہ جاری فرمایا اور ہر قسم کے غلط نظام اور فکر کا خاتمہ کرنے کے لئے انبیائے کرامؑ کو اور سب کے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کو اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ ان انبیاءِ کرامؑ کی آمد انسانیت کے لئے عظیم رحمت ہے۔ اسی لئے خداوندِ عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین قرار دیا۔ یہی سلسلہ ہدایتِ الٰہی کا سرچشمہ ہے۔

تمام انبیائے کرامؑ نے یہی اعلان فرمایا کہ تم سب خدائے واحد و یکتا کے بندے ہو۔ اس پر ایمان لاؤ۔ صرف اس کی خوشی حاصل کرنے کو زندگی کا اصل مقصد بناؤ۔ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو، صرف اللہ کی عبادت کرو گے تو دنیا اور آخرت دونوں کی تمام کامیابیاں حاصل ہو جائیں گی۔ تم صاحبانِ نعمت کے دائمی ساتھی بن جاؤ گے۔

اللہ کی اطاعت تمہارا تعلق اللہ سے جوڑ دے گی اور خدائے واحد کی اطاعت تمھیں خدا سے قریب کر سکتی ہے۔ یعنی تمھیں اللہ کا پسندیدہ بندہ بنا سکتی ہے۔ یہی خدا کی عملاً اطاعت کرنا ایک بامعنی کامیاب زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ کی اطاعت کا اقرار کر کے بدکار بندے بھی اللہ کی اطاعت کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی بدکاریوں پر پہلے خدا کے سامنے دل سے شرمندہ ہوں اور پھر دل سے معافیاں مانگیں اور تمام برے کام چھوڑ کر خدا کی اطاعت والی زندگی اختیار کر لیں تو

اللہ ان کے تمام پچھلے گناہ معاف کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: ''اے وہ لوگوں جو اپنے اوپر ظلم کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ وہ تمھارے تمام گناہ معاف کر دے گا (کیونکہ) وہ بے ہی بہت معاف کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا''۔ (القرآن)

باز آ باز آ تو ہر چہ ہستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اے میرے بندے! اگر میری راہ سے ہٹ گیا ہے تو پھر پلٹ کر میری اطاعت کی طرف آجا۔ کیونکہ میری درگاہ ناامیدی کی جگہ نہیں ہے۔ اگر تو نے سو (۱۰۰) دفعہ بھی توبہ توڑی ہے تو پھر بھی پلٹ کر آجا کہ میں تجھے معاف کر دوں گا اور اپنی غلامی میں قبول کرلوں۔

دین اسلام ہمیں اللہ کی طرف بلاتا ہے

اسلام ہمیں اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دل سے مائل ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔ ہم اللہ کو پہچان کر اس کو دل سے مان کر اپنے احساسِ شکر کی بنا پر اس کی محبت پیدا کر کے اس کی عملاً اطاعت کر سکتے ہیں اور اس سے اپنی غلامی و بندگی کا رشتہ استوار کر سکتے ہیں۔

قرآن ہمیں اللہ کی رحمانیت ورحیمیت کی فیاضیوں، مہربانیوں اور معافیوں کا یقین دلاتا ہے۔ اور ہمیں یہ بھی یقین دلاتا ہے کہ اگر ہم اللہ کی عملاً اطاعت کریں گے تو ہم ہر

طرح سے محفوظ رہیں گے۔ اگر ہم بخوشی خود کو اللہ کی اطاعت کے حوالے کریں گے تو وہ ہر طرح ہماری حفاظت اور سرپرستی فرمائے گا کیونکہ اس نے خود فرمایا ہے: من یتوکل علیٰ اللہ فھو حسبہ یعنی ”جو اللہ پر ایمان لا کر اس پر بھروسا کرے گا، اللہ خود اس کے لئے کافی ہو جائے گا“۔ (سورۂ طلاق)

یعنی اللہ اس کی مکمل سرپرستی اور مدد فرمائے گا۔ غرض انسان جس قدر خدا کی ان دو صفات یعنی رحمانیت اور رحیمیت پر غور و فکر کرے گا اور ساتھ ساتھ اللہ کی قدرت، ربوبیت، مالکیت اور حاکمیت کو سمجھے گا اسی قدر وہ اللہ کو پہچانے گا۔ کیونکہ انسان فطرتاً احسانات، عطا اور فیاضیوں کو پسند کرتا ہے۔ احسان کرنے والے سے قلبی محبت کرتا ہے جو اس کو فائدے پہنچاتا ہے۔ انسان اس کے احسانات کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور جو اللہ اس کی غلطیاں معاف کرتا ہے اس کا وہ گرویدہ ہو جاتا ہے۔

پھر قرآن انسان کو یہ بھی بتاتا ہے کہ اس کا خالق و مالک اس لئے اس پر مہربان ہے کہ وہ اپنی ہر مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ وہ اپنی ہر مخلوق کو چاہتا ہے۔ اسی بنا پر اللہ اس کو حقیقی اور سچا علم دے کر اس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے۔ یہ سب اللہ اس لئے کرتا ہے کہ وہ فیاض، مہربان، رحمان و رحیم ہے۔ اس کی بنیادی خوبی ہی رحم فرمانا ہے۔ اس کا آخری نبیؐ بھی اس کی رحمت کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ عالمین کے لئے رحمت ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔۔۔ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ۔۔۔ اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

سب سے پہلے اللہ سے مدد

پھر یہ بھی اللہ کی عظیم فیاضی ہے کہ وہ ہمیں یہ سکھا رہا ہے کہ ہم ہر کام شروع کرنے سے پہلے اللہ کی مدد ضرور طلب کریں۔ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اللہ سے عرض کریں کہ ہم تیرے نام سے شروع کرتے ہیں اور تیرے ہی نام سے مدد مانگتے ہیں۔ اسی اللہ سے جو رحمان و رحیم ہے۔ بے حد فیاض اور مسلسل بے حد فیض اور فائدے پہنچانے والا ہے۔ اس طرح ہم اللہ کا فضل و کرم سمیٹ سکتے ہیں۔ اس کی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح ہم اللہ تک پہنچ سکتے ہیں اور اس کی مدد ہم تک پہنچ سکتی ہے۔ ہم اللہ کے نزدیک ہو کر اس کے پسندیدہ بن سکتے ہیں۔ (اللہ تک پہنچنے کا مطلب جسمانی قربت نہیں بلکہ مرضی پروردگار سے قریب ہونا ہے)۔

اب جس قدر ہم اللہ کی جستجو کریں گے اور جس قدر خلوصِ دل سے اللہ سے محبت اور اطاعت کریں گے، اسی قدر ہم اللہ سے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ یعنی مکمل کامیاب ہو کر بالآخر مقربین میں شامل ہو جائیں گے جو صاحبانِ نعمت ہیں۔ یہی ہماری آخری اور سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جس کی دعا سورۂ فاتحہ میں کی جارہی ہے۔

خدا کی رحمانیت کی ایک جھلک

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسولِ خدا کے ساتھ قبرستان سے گزر رہے تھے۔ آپؐ ایک مقام پر تیزی سے چلنے لگے۔ ہم بھی تیز تیز چل کر وہاں سے گزر گئے۔ جب واپسی ہوئی تو اسی مقام پر جنابِ رسولِ خداؐ نے رُک رُک کر چلنا شروع

کردیا۔

صحابہؓ کے دریافت کرنے پر آپؐ نے فرمایا: ”جب ہم یہاں سے جا رہے تھے تو اس قبر پر خدا کا عذاب اتر رہا تھا اس لئے میں یہاں اس وقت رُک نہیں سکتا تھا۔ لیکن اب اسی قبر پر خدا کی رحمتیں برس رہی ہیں“۔

بات یہ ہوئی کہ اس مرنے والے نے مرنے سے پہلے اپنی زوجہ سے کہا تھا کہ میں تو بہت برا آدمی ہوں لیکن میرے بعد میرے بچے کو (بڑا ہونے پر) مدرسے لے جانا اور اس کو قرآن کا علم سکھانا تا کہ وہ اچھا انسان بنے۔ آج اسی وقت اس بچے کی ماں اس کو مدرسہ لے گئی اور بچے نے ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ پڑھی۔ خداوند عالم نے عذاب کے فرشتوں کو حکم دیا کہ ”اب اس بچے کے باپ پر عذاب نہ کرو کیونکہ مجھے حیا آتی ہے کہ اس کا بچہ اس کے کہنے پر مجھے رحمان ورحیم کہہ رہا ہے۔ پھر میں کیسے اس کے باپ پر عذاب نازل کروں؟“

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ہم پر کس قدر مہربان ہے، کس قدر ہم سے پیار کرتا ہے، کس قدر ہم کو نوازنا چاہتا ہے اور کس قدر ہماری ضرورتوں کو پورا کرنا چاہتا ہے اور مصیبتوں سے بچا بچا کر ہماری مدد فرماتا ہے۔

رحمت حق بہا نمی جوید رحمتِ حق بہا نہ می جوید

اللہ ہماری اس لئے بھی مدد فرماتا ہے کہ وہ ہماری تمام ضروریات اور احتیاجات کو ازخود جانتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے خود ہماری خواہشات اور ضروریات ہمارے اندر پیدا کی ہیں۔ وہ ان کو پورا کرتا ہے ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم خدا سے اپنی بندگی کا تعلق قائم کریں۔ خدا کی اطاعت کریں۔ خدا کی ہر بات مانیں۔ پھر خدا سے جو چاہیں

مانگیں تا کہ خدا ہم کو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی حقیقی، ابدی، دائمی اور اعلیٰ ترین نعمتیں بھی عطا فرمائے۔

الحمدللہ رب العالمین

(تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا مالک ہے)

اللہ کی تعریف کرنا اصل میں اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔ انسان فطرتاً جب کوئی فائدہ حاصل کرتا ہے تو اپنے جذبہ شکر کا اظہار کرنا چاہتا ہے کیونکہ اللہ کی ذات کا ہم پر بے حد اور بے انتہا احسان ہے۔ اس لئے خدا کی ذات تمام تعریفوں، عبادتوں اور اطاعتوں کی اوّلین مستحق ہے کیونکہ اللہ ہی ہمیں سب کچھ عطا کرنے والا ہر خوف وخطر سے بچانے والا، ہر اچھے کام میں ہماری مدد کرنے والا ہے۔

جب انسان اللہ کی عطاؤں پر اللہ کی تعریف کرتا ہے تو اس کا قلبی تعلق اللہ سے قائم ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اللہ کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کی اطاعت کر کے اللہ سے قریب سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اللہ اس کو اپنی لامحدود نعمتوں سے نوازتا ہی چلا جاتا ہے جیسا کہ خداوند عالم نے خود وعدہ فرمایا ہے لئن شکر تم لاَزِیدنکم ''اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں ضرور ضرور عطاؤں میں تمہارے لئے اضافے کرتا چلا جاؤں گا۔ (قرآن)

اس لئے جب ہم اللہ کا شکر وحمد کرتے ہیں تو اس کی فیاضیاں ہمیں اور نوازتی چلی جاتی ہیں۔

عربی حرف ''شکر'' کا مفہوم شکر گزاری اور احسان شناسی ہے، جو کسی خاص عنایت

پر ہو۔ جب کہ "حمد" (تعریف) عام ہے جو تمام عطاؤں، مہربانیوں کا احاطہ کرتا ہے۔
جب کہ عربی میں 'مدح' بے جان مخلوق کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو بے اختیار ہو۔
جب کہ حمد اس کی جاتی ہے جو قادر ہو۔ اس لئے اللہ کی 'حمد' کرنا اس کی مدح نہیں ہے۔
ثنا کرنا نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی قدرت و اختیار سے ہمیں نوازتا ہے اس لئے کہ وہ
کریمانہ صفات کا مالک ہے۔ پھر اس کی یہ کریمانہ صفات اور فیاضیاں اور دنیا اور
آخرت دونوں میں ہم پر مہربانیاں فرماتی ہیں۔ جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اس لئے
اللہ کی حمد بھی لامحدود حمد ہے کیونکہ ہر وقت اور ہر عطا پر اللہ قابلِ تعریف ہے۔

حضرت داؤدؑ نے فرمایا: "مالک میں تیری تعریف اور شکر کس طرح ادا کر سکتا ہوں؟
اس لئے کہ ہر سانس پر مجھے دو (۲) شکر کے سجدے کرنے ضروری ہیں۔ جب میں
سانس لیتا ہوں تو یہ تیری ایک عظیم نعمت ہوتی ہے۔ پھر جب میں سانس خارج کرتا
ہوں تو یہ تیری دوسری عظیم نعمت ہے۔ اس لئے مجھ پر لازم ہے کہ ہر سانس لینے پر
تیرے لئے شکر کے کم سے کم دو (۲) سجدے کروں"۔

امام حسین علیہ السلام نے دعائے عرفہ میں اللہ کے احسانات کا طویل ذکر کرنے
کے بعد اللہ تعالیٰ سے شکر ادا کرنے میں بے بسی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔ "میں
گواہی دیتا ہوں کہ آخر زمانہ تک زندہ رہ کر تیری کسی ایک نعمت کا شکریہ ادا کر سکوں تو یہ
ناممکن ہے مگر یہ کہ تیرا احسان بھی شامل حال ہو جائے مگر یہ (احسان) بھی تو خود ایک
شکریے کا طلب گار ہے۔ میرے اوپر ہر وقت تیرا ایک نیا احسان ہے اور جس کے
سبب ہر آن 'ایک نئے شکریے کا متقاضی......"۔　　(دعائے عرفہ)

اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں کا جس قدر ممکن ہو شکر ادا کرتے رہیں

اس طرح اور ہر دم اس کی تعریف کرتے رہیں اس کی تعریفوں کے گن گاتے رہیں:

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے　　　جو کچھ ہوگا، ترے کرم سے ہوگا

اگرچہ ہم شکر ادا نہیں کر سکتے لیکن یہ شکر ادا کرنا ہمارے اوپر ایک خوشگوار ذمہ داری ہے جو ہماری فطرت کا تقاضا ہے۔ عقل وضمیر کا مطالبہ ہے۔ اور ہماری تکمیل کا راز ہے۔ خدا سے ہمارے تعلقات کی بنیاد بھی یہی ہے۔ یہی احساسِ شکر گزاری ہے اور اسی احساس کی وجہ سے ہم خدا کی محبت اور بالآخر اس کی عملاً اطاعت کرتے ہیں جو اصل شکر گزاری ہے۔ ہماری مدد کا واحد قابلِ بھروسا ذریعہ ہے اور خدا کی تمام نعمتوں کی کنجی ہے۔ ہماری تخلیق کا اصل مقصد اور ہماری تکمیل کا اصل راز ہے۔

الحمد للہ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اے میرے پالنے والے مالک! میں تیری مکمل تعریف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بس تو اسی طرح عظیم ہے اور قابلِ تعریف ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی ہے"۔　　(سنن ابوداؤد جلد ۲)

رب کے معنی پالنے والا مالک جو اپنے غلام کے تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے، کیونکہ وہ اس کا مالک ہے۔ رب اپنی ملکیت کو ہر طرح سے استعمال کر سکتا ہے۔ "الحمد للہ" کہنے سے خدا کی تعریف میں کوئی کسر یا کمی باقی نہیں رہتی کیونکہ اس کے معنی ہیں کہ تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں۔ یعنی ہر تعریف میں خدا کی تعریف شامل ہے۔"　　(امام جعفر صادقؑ از تفسیر المیزان)

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: ''اللہ کی تمام نعمتوں کی الگ الگ تعریف کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اللہ کی نعمتوں کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ اس لئے خداوند عالم نے فرمایا کہ تم میری نعمتوں کو یاد کر کے الحمد لله علىٰ ما انعم به علینا کہا کرو۔ یعنی تمام تعریف اللہ کے لئے ہے ان تمام نعمتوں پر جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہیں یہ کہنے سے عبدیت کا اظہار ہوتا ہے۔　　(عیون اخبار الرضاؑ)

عبدیت کے معنی

''ہم صرف تیری ہی غلامی کرتے ہیں'' یعنی ہم اپنے دل کی گہرائیوں سے خود کو خدا کا غلام سمجھیں۔ خدا کو اپنا مالک سمجھیں۔ تکبّر کو بالکل چھوڑ دیں۔ خدا اور خدا کے بندوں کے سامنے عاجزی و انکساری اختیار کریں اور خدا کے ہر حکم کی عملاً اطاعت کریں۔ (تفسیر المیزان)

عبادت کی تین اقسام ہیں

(۱) بخوف۔ یعنی خدا کی سزاؤں کے خوف سے۔ یہ غلاموں اور نوکروں والی عبادت ہے۔

(۲) بطمع۔ جو کسی فائدے کے سمیٹنے کے لئے ہوتی ہے۔ اللہ سے اجر لینے کے لئے ہوتی ہے۔ یہ تاجروں کی سی عبادت ہے۔

(۳) بحبّ۔ تیسری قسم کی عبادت خدا کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لئے اور اس کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ سب سے افضل عبادت ہے۔ یہ آزاد بندوں کی عبادت ہے۔ (حضرت علیؑ)

اس عبادت کے لئے ضروری ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں اور عطاؤں، اس کے احسانات اور اس کی عظمت پر غور کریں۔ قرآن سمجھ کر کثرت سے پڑھیں تو ہمارے دل میں اللہ کے احسانات اور عطاؤں کا احساس بیدار ہو جائے گا۔ جس کا لازمی و منطقی نتیجہ احساسِ شکر ہوگا۔ اسی احساس کے نتیجہ میں ہمارے دل میں اللہ سے محبت پیدا ہو جائے گی۔ پھر یہ محبت اس قدر شدید ہو جائے گی کہ ہم صرف اللہ کی محبت کی وجہ سے اللہ کی عبادت اور اطاعت کرنے لگیں گے۔

اللہ کی رحمانیت فیاضی اور بلا حساب مہربانیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ رحمٰن ایک بامعنی اشارہ ہے جو بتاتا ہے کہ اللہ نے تمام کائنات کو اپنے لطف و کرم سے گھیر رکھا ہے۔ وہ ہر شخص بلکہ ہر مخلوق کو اس کی صلاحیت اور ضرورت کے مطابق عطا فرما رہا ہے۔ ہر ایک کو اس کا حق دے رہا ہے۔

(سرکار آقائے مہدی پویاؒ از تفسیر میر احمد علیؒ)

رَب کے معنی

ربّ اسم صفت ہے جس کے معنی کسی چیز کو بتدریج اس کی حالت اور صلاحیت کے مطابق حدِ کمال تک پہنچانے والے کے ہیں، اللہ خالق ہے کیونکہ وہ ہر چیز کے وجود کا سبب ہے اور اللہ رَب بھی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ہر چیز باقی ہے اور ترقی کر رہی ہے۔ اسی لئے قرآن نے اللہ کے لئے رب کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جب کہ عیسائیوں نے خدا کو اَب (باپ) کہا ہے۔

رب وہ ہے جو ہر ہر لحظہ اپنا فیض اور کرم جاری رکھتا ہے اور نشو و نما کرتا ہے اور

بتدریج ترقی کی منازل طے کراتا ہے، خبرگیری کرتا ہے، نگہبانی کرتا ہے، حاکم ہے مدبّر اور منتظم ہے۔ اللہ ان سب کے سب معنی میں تمام جہانوں کا مالک یعنی رب ہے۔

(آقائے سرکار مہدی پویا۔ لسان العرب، تفہیم)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جناب رسولؐ خدا کا ارشاد ہے:

"اللہ نے بارہ ہزار جہان پیدا کئے ان میں سے ہر ایک جہان سات آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے بے حد بڑا ہے اور ہر جہان والے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے سوا خدا نے کوئی اور جہاں نہیں پیدا کیا ہے، جب کہ میں ان تمام جہانوں پر خدا کی حجت ہوں"۔ (تفسیر نور الثقلین)

اللہ کے رحیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مومنین پر ان کے نیک اعمال کی وجہ سے خاص الخاص طور پر مہربان ہے۔ جیسا کہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ وکان بالمومنین رحیماً اور خدا مومنین کے لئے رحیم ہے۔ (القرآن۔ سورہ احزاب ۴۳)

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "اللہ ہر چیز کا معبود ہے اس لئے وہ تمام مخلوقاتِ عالم کے لئے رحمان ہے اور مومنین پر خاص طور پر رحیم ہے۔

(تفسیر المیزان بسند کافی، توحید صدوقؒ، معانی الاخبار)

امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ: رحمان اسمِ خاص ہے لیکن صفتِ عام ہے۔ رحیم اسمِ عام ہے لیکن صفتِ خاص ہے۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ا صفحہ نمبر ۲۱)

لفظ "رب" اللہ کے لئے بولا جاتا ہے اگر غیر اللہ کے لئے بولا جائے تو اضافت ضروری ہے۔ مثلاً رب الدار گھر کا مالک۔ رب السفینۃ کشتی کا ملاح یا مالک۔

(قاموس اللغات۔ مفرداتِ امام راغب، تفسیر مجمع البیان)

عالمین سے مراد تمام مخلوقات کا مجموعہ چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان
(تفسیر نور الثقلین جلد اول ا)

الحمد للہ رب العالمین کے معنی ہوئے کہ تمام تعریفیں مخصوص ہیں اس کائنات کے پالنے والے مالک کے لئے کیونکہ ہر جمال اور ہر کمال، ہر نعمت اور ہر بخشش ہر فائدہ اور ہر خوبی جو کائناتِ میں وجود رکھتی ہیں اس کا خالق مالک اور ترقی دینے والا صرف اللہ ہے۔ (تفسیر نمونہ)

الرحمٰن الرحیم

جب کوئی چیز بہت زیادہ اہم ہوتی ہے تو اس کو مبالغہ کے صیغے میں بیان کیا جاتا ہے ۔جب اس پر بھی مطمئن نہیں ہوتا تو پھر اس بات کو بار بار دہرایا جاتا ہے تا کہ کمی پوری ہو جائے۔اللہ کی تعریف پہلے رحمان کے لفظ سے کی گئی یعنی سب پر بے حد رحم کرنے والا، مگر اس پر بھی اطمینان نہ ہوا تو رحیم کا اضافہ کیا گیا۔حالانکہ رحمان خود مبالغے کا صیغہ ہے ۔مگر خدا کی مہربانیاں اس قدر زیادہ ہیں کہ مبالغہ کا لفظ استعمال کر کے بھی حق ادا نہ ہوا۔اس لئے رحمان کے بعد رحیم کہا۔جیسے کسی کی فیاضی کو دیکھ کر پہلے سخی کہا جائے اور پھر کمی محسوس کر کے داتا بھی کہا جائے۔کسی کو گورا کہا جائے پھر کمی محسوس کر کے چٹا بھی کہا جائے،کسی کو پہلے لمبا کہا جائے پھر جب یہ محسوس ہو کہ ابھی حق ادا نہیں ہوا تو لمبے کے بعد تڑنگا بھی کہا جائے۔ (تفہیم القرآن از مولانا مودودی)

اللہ نے دوبار "الرحمٰن الرحیم" فرما کر اپنی مخلوق کو اپنے احسانات اور انعامات دوبار یاد دلائے ہیں۔ (حضرت امام علی رضاؑ از من لا یحضرہ الفقیہ)

جھولیاں سب کی بھرتی جاتی ہیں
دینے والا نظر نہیں آتا

"رحمان" کی رحمت کا تعلق تمام مخلوقاتِ عالم سے ہے مگر رحیم کی رحمت کا تعلق صرف اہلِ ایمان سے ہے اور مالکِ یوم الدین سے مراد حساب کے دن کا مالک (فیصلہ کرنے والا) ہے۔　　(امام جعفر صادقؑ از علی ابن ابراہیم)

نوٹ: رحمان ورحیم کی مکمل تشریح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں لکھی جا چکی ہے۔

قیامت کے دن ہم کس طرح زندہ ہوں گے؟

اس سوال کا حتمی جواب تو ہمیں قیامت کے دن ہی معلوم ہوگا۔ لیکن اس حوالے سے آج کی سائنس اور سائنس دان کیا کر رہے ہیں۔ اس کا ایک مختصر سے جائزہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہیں گے۔

ماہرین حیاتیات گزشتہ صدی سے ان امکانات پر غور وفکر کے ساتھ ساتھ عملی طور پر تجربات بھی کر رہے ہیں کہ مرنے والے انسان کی ہو بہو کاپی کس طرح تیار کی جا سکتی ہے۔ جینیات کے شعبے سے وابستہ سائنس دان اب تک کلوننگ کے ذریعے بے شمار گائیں، بکریاں، بھیڑیں اور سؤر پیدا کر چکے ہیں۔ کسی بھی جانور، پودے، پرندے کی کلوننگ کے لیے انہیں صرف ایک خلیے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسے سائنسی زبان میں ٹیشو کلچر کہا جاتا ہے جس کی مدد سے خود جامعہ کراچی میں اصل پودے کی بجائے اس کے صرف ایک خلیے (Cell) سے ہزاروں پودے پیدا کیے جا رہے ہیں۔

جانوروں کی کلوننگ ابھی صرف مغرب کی لیباٹریز ہی میں ہو رہی ہے۔

جینیات کے ماہرین کے لیے اب کسی بھی انسان ۔کے لئے کوئی عضو بنانا مشکل نہیں رہا ہے۔اس مقصد کے لیے وہ اسی انسان یا کسی دوسرے انسان کے جسم سے ایک اسٹیم سیل (Stem Cell) حاصل کرتے ہیں۔اسٹیم سیل جسم کے کسی بھی دوسری طرح کے خلیوں میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

اس اسٹیم سیل سے نئے اعضا بنائے جا سکتے ہیں اور متاثرہ مریض کے اعضا کو تبدیل کر کے یہ نئے اعضا اس کے جسم میں ٹرانس پلانٹ کیے جا سکتے ہیں۔

ماہرین حیاتیات کے مطابق ہمارے جسم میں ہر وقت کہیں نہ کہیں ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے جس کا ہمیں اکثر علم بھی نہیں ہوتا لیکن ہمارے جسم میں موجود اسٹیم سیل ایک خودکار نظام کے تحت جسم کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کو خود ہی ٹھیک کرتے رہتے ہیں۔

ہر انسان پیدا ہونے سے مرنے تک مستقل تبدیل ہوتا رہتا ہے۔مثلاً ہمارے جسم کی کھال کے ہزاروں لاکھوں خلیے روزانہ مرتے رہتے ہیں لیکن اسی عرصے میں اتنے ہی اور نئے خلیے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ہماری بیرونی جلد ہر 120 دن کے بعد تبدیل ہوتی رہتی ہے۔جتنی دیر میں آپ پلک جھپکتے ہیں اتنی دیر میں ہمارے خون کے سرخ خلیوں میں سے لاکھوں خلیے فنا ہو جاتے ہیں لیکن اس عرصے میں خون کے اسی قدر نئے خلیے پیدا ہو کر دورانِ خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔

بیماری کی صورت میں جسم کے دفاعی نظام کے کروڑوں خلیے جسم کی مدافعت کرتے ہوئے ہر روز ختم ہو جاتے ہیں لیکن اسی دوران جسم کا دفاعی نظام اتنے ہی نئے دفاعی خلیوں کو پیدا کر کے دوران خون میں شامل کرتا رہتا ہے۔

ہڈی ٹوٹنے کی صورت میں آرتھوپیڈک سرجن کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ہڈی کے ٹوٹے ہوئے حصوں کو ایک دوسرے سے ملا کر پلاسٹر باندھ دے تا کہ یہ ہڈیاں ایک دوسرے سے چپکی رہیں۔ اس عمل کے مکمل ہوتے ہی جسم کا وہ نظام حرکت میں آ جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے کا کام سرانجام دیتا ہے۔ دماغ کے حکم پر ہماری ہڈیوں کے گودے سے لاکھوں کروڑوں خلیے دوران خون کے ساتھ متاثرہ مقام پر پہنچنا شروع ہو جاتے ہیں اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کے اندر اور اردگرد چپکنے لگتے ہیں۔ یہ خلیے جنہیں آسٹیو بلاسٹ (Osteo Blast) کہا جاتا ہے۔ ایک خاص قسم کی پروٹین (کولوجن) سے بنے ہوتے ہیں اور سیمنٹ کی طرح ٹوٹی ہوئی ہڈی کے اندر اور اردگرد چپکتے رہتے ہیں۔ ان خلیوں کے درمیان جگہیں خالی ہوتی ہیں۔

دوران خون کے ساتھ آنے والی کیلشیم اور دوسرے معدنی اجزاء ان خلیوں کے اندر چپکتے جاتے ہیں اور کچھ ہی دنوں کے بعد ہڈی مکمل طور پر جڑ جاتی ہے۔ اس مقام کا اعصابی نظام دماغ کو اس مرحلے کے مکمل ہونے اور ہڈی کے مضبوط ہونے کے اطلاع دیتا ہے تو دماغ کے حکم پر ہڈیوں کے گودے سے ایک دوسری طرح کے خلیے کروڑوں کی تعداد میں اس مقام تک پہنچتے ہیں۔ ان خلیوں کو آسٹیو کلاسٹ (Osteo Clast) کہا جاتا ہے۔

ان خلیوں کا کام ہے ہڈی کو دوبارہ اصل شکل میں واپس لانا۔ ان خلیوں کی یادداشت میں ہڈی کی اصل شکل، اس کا ناپ تلا سائز، لمبائی چوڑائی غرض مکمل نقشہ موجود ہوتا ہے۔ ہڈی کے جڑنے کے دوران جو اضافی مصالہ ہڈی کے چاروں طرف گرا تھا۔ یہ خلیے اس اضافی مصالے کو ہر طرف سے کھرچ کر کھا جاتے ہیں اور یہ کام

اس وقت تک جاری رکھتے ہیں جب تک کہ ہڈی کی ٹوٹنے سے پہلے والی اصل شکل واپس نہ آ جائے۔

آپ ایلفی وغیرہ سے ٹوٹے ہوئے برتن یا کسی دوسری چیز کو جوڑتے ہیں تو کچھ مصالہ دونوں طرف بہہ کر چپک جاتا ہے۔ اسی طرح ہڈیوں کے جڑنے کے دوران کچھ مصالہ ہڈی کے ارد گرد جم جاتا ہے اگر یہ مصالہ اسی طرح جما رہے تو مریض کو سخت تکلیف ہو سکتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اوسٹیو کلاسٹ نامی ان خلیوں کو ہمارے جسم میں پیدا کیا ہے جو سارے اضافی مصالحے کو چاٹ کر ہڈی کو دوبارہ اس کی اصل حالت میں لے آتے ہیں۔

کفار و مشرکین کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح بوسیدہ ہڈیوں کو جوڑے گا اور کس طرح انسان کو اس کی اصل حالت میں پیدا کرے گا.......... تو آج کی جدید سائنس کفار و مشرکین کے ان جاہلانہ اعتراضات کے خلاف عملی ثبوت پیش کر رہی ہے۔ یہ کام تو اللہ رحمان و رحیم کا پیدا کیا ہوا ایک نادیدہ اسٹیم سیل بھی کر سکتا ہے اور ایک حدّ بصارت سے بالاتر چھوٹا سا معمولی خلیہ آسٹیو بلاسٹ یا آسٹیو کلاسٹ بھی ہڈیوں کو دوبارہ اصل شکل میں لانے کا کام سرانجام دے رہا ہے۔

تو پھر اللہ مالک یوم الدین کے لیے یہ کام کون سا مشکل ہے کہ قیامت کے دن بوسیدہ ہڈیوں کو جوڑے ان پر گوشت پوست کھال چڑھائے اور انسان کو دوبارہ بالکل ویسا ہی پیدا کر دے جس طرح وہ مرنے سے پہلے کی زندگی میں زندہ تھا! یہ کام تو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے معمولی خلیے دماغ کے حکم پر ہر لمحہ ہمارے جسم میں سرانجام دے رہے ہیں۔

سوال یہ کہ خود دماغ یہ احکامات کہاں سے حاصل کرتا ہے؟ اگر دماغ ہی سب

کچھ کر رہا ہے تو بعض بیماریوں میں مبتلا افراد کے چوٹ لگ جائے تو ان کا خون بہنا کیوں نہیں رکتا۔ جب کہ دوسرے افراد کا جسم کہیں سے کٹ جائے تو دماغ کے حکم پر انسان کا جگر فوراً ہی دوران خون میں وہ اجزاء پیدا کر دیتا ہے جن کے سبب خون باہر نکلتے ہی جم جاتا ہے اور مزید خون بہنا رک جاتا ہے۔ دماغ ہموفیلیا کے مریض کے جسم میں بھی ہوتا ہے اور صحت مند آدمی کے جسم میں بھی۔ اگر دماغ ہی سب کچھ کرتا ہے تو ہیموفیلیا کے مرض میں مبتلا افراد کا خون بہنا کیوں نہیں رکتا؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین، آسمان ہی نہیں ہر مخلوق کے وجود کے اندر اللہ رب العالمین کا حکم ہر لمحے نازل ہو رہا ہے۔ کہیں سے ہر لحہ ہماری دیکھ بھال کی جارہی ہے اور ہمارے۔لیے زندگی آفریں احکامات جاری کیے جارہے ہیں۔

مخلوق اور خالق کے درمیان یہ رابطہ ایک لمحے کو بھی ٹوٹ جائے تو انسان اپنی ساری عقل اور تمام تر اعضا کی موجودگی کے ہوتے ہوئے بھی اسی لمحے گوشت اور ہڈیوں کے قابل تدفین ڈھیر میں تبدیل ہو جائے۔ ہم سانس اندر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کی وجہ سے جسم اس سانس کو ہمارے لیے زندگی کا سبب بنا دیتا ہے اور جب ہم سانس باہر نکالتے ہیں تو ہمارا جسم اللہ ہی کے حکم پر زہریلے مادّے کو ہمارے جسم سے سمیٹ کر سانس کے ذریعے باہر نکال دیتا ہے۔

حوالہ: جسم کے عجائبات (۲) ڈی این اے جسم کی کتاب ہدایت: مصنف: محمد علی سید

(3)I am Jeo's Body

(4) How The Body Works

(5) Genes and DNA - By : Stew Jones

مالک یوم الدین

(بدلے کے دن کا مالک یعنی قیامت کے دن بدلہ دینے والا اور تمام فیصلے کرنے والا)

امام زین العابدینؑ جب اس آیت کو پڑھتے تھے تو اتنی بار دہراتے تھے کہ آپ کی موت قریب دکھائی دینے لگتی تھی کیونکہ آپؑ پر قیامت کے دن کا خوف طاری ہو جاتا تھا۔ (اصول کافی مروی از: زہری)

"یوم دین" بدلے کے دن سے مراد حساب کا دن ہے۔

(امام محمد باقرؑ: از مجمع البیان)

حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا کہ: جو مسلمان دل سے سمجھ کر مالکِ یوم الدین کہتا ہے تو اللہ اور آسمان والے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

(جناب رسولؐ خدا از تفسیر مجمع البیان)

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: بندہ مالکِ یوم الدین کہہ کر اصل میں اقرار کرتا ہے کہ جس طرح اللہ دنیا کا بادشاہ ہے اسی طرح آخرت کا بھی بادشاہ اور مالک ہے۔ اسی بات کو خوب سمجھنے کے بعد وہ ایاک نعبد "ہم صرف تیری غلامی کرتے ہیں" کہتا ہے۔ ان الفاظ سے خدا کے طرف اس کی رغبت کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ ان الفاظ سے بندہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے عمل میں خدا کا مخلص غلام ہے۔ یعنی صرف خدا کو خوش کرنے کے لئے اس کی غلامی اور اطاعت کرتا ہے۔

پھر جب وہ ایاک نستعین یعنی "ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں"۔ کہتا ہے، تو وہ اللہ سے اپنی توفیقات میں اضافہ کا سوال کرتا ہے۔ وہ اللہ سے التجا کرتا ہے کہ اللہ سے

اپنی غلامی، اطاعت اور بندگی کی توفیق عطا کردے اور اس طرح اس پر اپنے انعامات کی بارشیں برساتا رہے اور ہر طرح اس کی مدد کرتا رہے۔

(حضرت امام علی رضاؑ: از من لا یحضرہ الفقیہ)

اللہ کی تعریف میں رحمان ورحیم کہنے کے بعد اسے مالکِ یوم الدین اس لئے کہا گیا کہ خدا صرف مہربان ہی نہیں ہے بلکہ عادل اور منصف بھی ہے۔ ایسا بااختیار منصف اور عادل ہے کہ وہی آخری فیصلے کرے گا، کیونکہ پورے اقتدار کا مالک ہے۔ اس لئے کوئی اس کے فیصلوں کو ٹال نہ سکے گا۔ لہٰذا ہمیں اللہ کی رحمت اور عطاؤں کی وجہ سے اللہ سے محبت کرنی چاہئے اور اس کے انصاف اور عدل کی وجہ سے اللہ سے بے حد ڈرتے رہنا چاہئے اور یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ ہمارے انجام کا اچھا برا ہونا سب کا سب پوری پوری طرح خداوند عالم کے اختیار میں ہے۔ (تفہیم القرآن از مولانا مودودی)

معاد اور عدل

جب ہم خدا کو "بدلے کے دن کا مالک" کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ خدا نے یہ دنیا نیک عمل کرنے اور نیک و بد اعمال کا بدلہ دینے کے لئے پیدا فرمائی ہے۔ اسی لئے خدا فرماتا ہے کہ "وہ خدا جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تا کہ تمھارا امتحان لے کہ تم میں کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے"۔ (قرآن سورہ ملک آیت نمبر ۱)

خداوند عالم نے فرمایا: "انسان کے لئے کچھ بھی نہیں ہے سوا اس کے کہ جس کے لئے وہ کوشش کرے"۔ (قرآن) نیز فرمایا: "میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا

مگر صرف اس لئے کہ وہ میری عبادت (اطاعت) کریں"۔ (قرآن)

قیامت کے دن کا مالک ہونے کا مطلب ہے کہ وہاں اس دن خدا کا پورا پورا اقتدار ظاہر ہوگا۔ مالک ہونے کی چھوٹی سی مثال ہمارے اعضاء ہیں کیونکہ خدا کی عطا سے ہم اپنے اعضاء کے مالک ہیں اسی لئے ہمارے اعضاء مکمل طور پر ہمارے ارادے کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ اب خدا تو ہر چیز کا حقیقی مالک ہے اور قیامت کے دن اس کی مالکیت کا مکمل اظہار ہوگا۔ اس لئے اس دن ہر شخص اور چیز پر خدا کا مکمل اقتدار ہوگا اور وہ ظاہر بھی ہوگا۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنی مرضی سے کچھ نہ کر سکے گا۔ سب کے سب مکمل طور پر بے بس ہوں گے۔ سوا ان لوگوں کے جن کو خدا نے خود شفاعت کرنے کی اجازت دی ہوگی۔ اسی لئے خدا نے فرمایا: "اس دن کوئی کسی چیز کا مالک نہ ہوگا کہ وہ اس کے ذریعے کسی کی کوئی مدد کر سکے (کیونکہ اس دن) تمام معاملات صرف خدا کے ہاتھ میں ہوں گے۔ (قرآن۔ سورہ انفطار)

قیامت کے دن سب پردے ہٹ جائیں گے۔ تمام کاموں کی تمام باریک سے باریک تفصیلات ظاہر ہو جائیں گی۔ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق اجر ملے گا۔ ہر شخص کو حساب دینا ہوگا۔ اللہ نے فرمایا: "جو ذرّے کے وزن کے برابر بھی اچھا عمل کرے گا وہ اس عمل کو دیکھے گا، اور جو ذرّے کے وزن کے برابر برا عمل کرے گا وہ اس کو دیکھے گا۔" (القرآن)

جناب خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: "تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے اور شکر اس بات کا ہے کہ اس نے ہمیں نیک کاموں کا الہام فرمایا ہے۔ اس کی تعریف ہے کہ اس نے از خود ہمیں نعمتیں عطا

کرنے کی ابتدا فرمائی ہے اور اپنی نعمتوں کو ہم پر پھیلا دیا ہے۔ یہ سب اس نے صرف اس لئے کیا ہے تا کہ اس کی حکمت ثابت ہو جائے اور تا کہ ہم اس کی اطاعت کریں۔ پھر اس نے اپنی اطاعت پر جزا رکھی ہے اور نافرمانی پر سزا رکھی ہے"۔

(خطبۂ لمیہ جناب فاطمہ زہراءؑ)

اس طرح "مالک یوم الدّین" کہہ کر ہم اپنے مقصدِ زندگی کو سمجھتے ہیں اور ایمان اور عملِ صالح کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اللہ کا خوف طاری ہو جاتا ہے کہ ہمیں ایک دن اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "تمام حکمتوں کی چوٹی خوفِ خدا ہے۔ کیونکہ انسان کو برائی سے بچانے کا سب سے بڑا سبب خدا کا خوف ہوتا ہے۔

یہ خوف مالکِ یوم الدّین کے سمجھ کر کہتے رہنے سے پیدا ہوتا ہے۔

خداوند عالم نے فرمایا: ولمن خاف مقام ربہ جنتان جو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو دو مراد بکثرت جنتیں ہیں۔

(القرآن۔ سورہ رحمٰن)

خوفِ خدا کامیابی کا راز

خوفِ خدا دل میں پیدا ہونے کے بعد انسان سر سے پاؤں تک بدل جاتا ہے۔ اس کے اندر بلا کا خوفِ الٰہی پیدا ہو جاتا ہے اور رحمان و رحیم کہنے کے بعد اس کے دل میں خدا سے بے پناہ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی محبت اور یہی خوف اس کے اندر "خوف و رجا" کا جذبہ بیدار کرتے ہیں۔ یعنی وہ اللہ کی نافرمانیوں سے ڈرتا بھی ہے اور اللہ کی محبت کی وجہ

سے خدا کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے معافیوں اور رحمتوں کی توقع رکھتا ہے۔ یہی انسان کی تکمیل کا راز ہے، جو ان دو آیتوں کے سمجھ کر پڑھتے رہنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: "راس الحکمۃ مخافۃ اللہ تمام حکمتوں کی چوٹی خدا سے خوف کرنا ہے"۔ (الحدیث) اور قرآن میں اللہ فرماتا ہے و الذین آمنوا اشد حباً للہ جو واقعی خدا کو دل سے مانتے ہیں وہ خدا سے شدید ترین محبت کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ایمان کا حاصل خدا کا خوف اور خدا سے محبت کرنا ہے۔ خدا سے محبت کرنے ہی کی وجہ سے بندہ خدا سے امید رکھتا ہے کہ خدا اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ اسی کو خوف ورجا کہتے ہیں۔ یعنی خدا سے ڈرنا اور خدا ہی سے امیدیں باندھنا، یہی ایمان کی اصلی حقیقت ہے۔ (بیان آیت اللہ مرزا مہدی پویاؒ)

مالکِ یوم الدین

(بیان سرکار آقائے مرزا مہدی پویاؒ)

مادہ پرستوں کے نظریات کے برعکس انسان کی خلقت میں ایک مقصد اور ہدف کارفرما ہے۔ جسے فلسفی سیر تکامل یا ارتقا کہتے ہیں۔ اللہ کی ذات جو کائنات کی خالق ہے، وہی خالقِ عقل بھی ہے۔ اس لئے ایسی صاحب حکمت ذات کوئی کام بے مقصد نہیں کرتی۔ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد خدا کی عبادت اور اطاعت کرنا ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا: "میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر صرف اپنی عبادت یعنی اطاعت کے لئے"۔ (القرآن: سورہ ذاریات ۔ ۵۶)

اس عبادت اور اطاعت کے ذریعہ ہم خدا کی رضامندی اور قرب حاصل کر سکتے

ہیں جس سے بلند اور کوئی نعمت یا کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اسی بات کو خداوندِ عالم نے یوں فرمایا۔ "اللہ کی ناراضگی سے بچنے والے اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے فرائض کو ادا کرنے والے متقین جنت کے گھنے سرسبز و شاداب باغوں اور نہروں میں ہوں گے، وہ بھی اسی صاحب اقتدار شہنشاہ (خداوندِ عالم) کے پاس، جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ لوگ اس کے پاس عزت کے مقام (قرب) پر ہوں گے۔　　(قرآن سورہ قمر)

موت کا مطلب اصل زندگی ہے

اگر موت کا مطلب ہر چیز کا ختم اور عدم ہو جانا ہے تو پھر انسان کی تکمیل کا مقصد کیسے پورا ہوگا؟ اس لیے عقلاً لازمی ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد ایک دائمی، ابدی، سرمدی زندگی ہو جہاں انسان کا سفرِ کمال جاری و ساری رہے تاکہ وہ دنیا میں کی ہوئی محنتوں کا ثمر وہاں پائے۔ یہاں کی بوئی ہوئی کھیتی وہاں کاٹے۔

اس لیے دوسری زندگی کو مانے بغیر مقصدِ تخلیق پورا ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر دوسری زندگی نہیں ہے تو پھر ہر چیز معمہ ہے، مہمل ہے، بے مقصد اور لغو ہے۔ پھر ہمارے پاس کسی کیوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

نیز یہ کہ یہاں لوگوں نے بے حد ظلم کیے ہیں اور مظلوموں نے ظلم برداشت کیے ہیں۔ آخر ان کا حساب چکایا جانا عقلی ضرورت ہے کہ نہیں۔ یہ کس قدر بے انصافی اور مہمل بات ہے کہ ظالم اور مظلوم، اچھے اور برے برابر کر دیے جائیں۔ مرنے کے بعد دونوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔

نیز یہ کہ دنیا میں لوگوں میں بلا کے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ہر انسان چاہتا

ہے کہ یہ اختلافات ختم ہوں۔ حقیقتیں واضح ہو جائیں۔ اسی لئے خداوندِ عالم نے فرمایا: ''خدا ان تمام چیزوں کے بارے میں جن جن میں وہ اختلافات کرتے ہیں، قیامت کے دن فیصلے کردے گا''۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۱۳۔)

موت پر فتح حاصل کرنے کا طریقہ

فطرت کا ایک قانون یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز کا جواب اور علاج موجود ہے۔ بھوک لگتی ہے تو روٹی موجود ہے، پیاس لگتی ہے تو پانی موجود ہے۔ جنسی خواہشات کے لئے جنسِ مخالف موجود ہے۔ امراض کے لئے دوائیں موجود ہیں۔ سردی گرمی کے لئے لباس اور غذائیں موجود ہیں۔ جب ہر مسئلے کا حل موجود ہے تو موت کا جواب اور علاج بھی موجود ہونا ضروری ہے۔ موت کا جواب ڈاکٹر یا دوا نہیں ہو سکتا۔ وہ مرضِ موت کا علاج نہیں۔ اگر موت کا علاج ڈاکٹروں کے پاس ہوتا تو کوئی ڈاکٹر کبھی نہ مرتا۔

موت کا علاج موت کے خالق خداوندِ عالم نے یہ بتلایا ہے کہ: ''جس کو یہ خوف ہے کہ اس کو اپنے پالنے والے مالک سے ملنا ہے (یعنی ایک دن ضرور مرنا ہے) اس پر لازم ہے کہ نیک اعمال انجام دے۔ (اور نیک عمل یہ ہے کہ) خدا کی عبادت غلامی اور اطاعت (کرے اور اس) میں کسی کو شریک نہ کرے۔''

(القرآن۔ سورہ کہف کی آخری آیت)

عملِ صالح (نیک عمل) کی حقیقت

جب ہم اللہ کی تعریف کرتے ہیں تو اس کی صفات پر غور کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا کی ہر صفت اور ہر کام بے حد اچھا اور قابلِ تعریف ہے۔ اس لئے ہمیں منطقی طور پر خدا کی

طرف قلبی رغبت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔اس رغبت اور محبت کی وجہ سے خدا بھی ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے اور ہم سے محبت فرماتا ہے۔جس کے نتیجہ میں وہ ہمیں نیک توفیقات جو اس کی خاص الخاص نعمت ہیں، عطا فرماتا ہے۔جس کے نتیجہ میں ہماری اصلاح ہوتی ہے اور ہم خدا کی اطاعت یعنی نیک عمل کی طرف راغب ہوتے چلے جاتے ہیں۔یہی عملِ صالح کی حقیقت ہے۔

پھر جب ہم خدا کو رب العالمین یعنی تمام جہانوں کا پالنے والا کہتے ہیں تو ہم اس بات کو سمجھ جاتے ہیں کہ صرف وہی ایک خدا ہمارا پالنے والا، ہمیں سہارا دینے والا اور ہماری پرورش کر کے ہمیں ترقی کی منزلوں پر بلند کرنے والا ہے۔اس لئے ہمیں صرف اس کی اطاعت کرنی چاہئے اور صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہئے۔

ربوبیت کا مطلب

''رب'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جو پرورش کر کے کسی چیز کو اس کی ترقی کی منزلوں اور مقصدیت تک لے جائے۔ (امام راغب اصفہانی)

قرآن نے فرمایا کہ'' ہمارا رب وہ ہے جو ہر شے کو اس کے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔یعنی اس کو اس کی اعلیٰ منزلوں تک لے جاتا ہے''۔

(قرآن۔سورہ طٰہٰ ۵۰)

پھر خدا کی ربوبیت کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اس نے ہمارے دلوں میں اپنی محبت اور رغبت کی پیدا کی ہے۔ایک ماں اپنے بچے سے آخری سانس تک محبت کرتی ہے۔

''خدا ہم سے ماں کی نسبت ستر (۷۰) گنا زیادہ محبت فرماتا ہے''۔ (الحدیث)

اللہ اور ماں کی محبت میں فرق

اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی مصلحت ومشیت کے تحت ہوتی ہے اور یہ مصلحت ومشیت بندے ہی کے فائدے کے لئے ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ماضی حال اور مستقبل سے آگاہ ہوتا ہے۔وہ بندے کو وہی چیز عطا فرماتا ہے جس میں بندے کا فائدہ ہو۔ماں کی محبت کا سرچشمہ بھی اللہ ہی کی رحمت ہے۔ماں محبت تو کرتی ہے لیکن اس کی محبت جذبات کے زیراثر ہوتی ہے۔اس کا علم ناقص ہوتا ہے۔اسے نہیں معلوم ہوتا کہ کیا چیز اولاد کے لئے ... ہے ... ن سی چیز نقصان دہ۔اسے ماضی حال اور مستقبل کا بھی علم نہیں ہوتا اس لئے وہ ہر صورت اولاد کی خواہش پوری کرنا چاہتی ہے۔یہ جانے بغیر کہ یہ بات بچے کے لئے بے حد نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔

آیت اللہ مھدی پویاؒ نے فرمایا

''ربوبیت کے لفظ میں فیاضی، بڑی مہربانی اور محبت پوشیدہ ہے۔خدا کا رب ہونا بتاتا ہے کہ وہ جس طرح ہر چیز پر قادر ہے اسی طرح ہر چیز کا خالق مالک بھی ہے اور پرورش کرنے والا بھی ہے۔اسی لئے اس کی محبت اور رحمت ہر چیز پر حاوی ہے اور بے حد اور بے انتہا ہے۔

عالمین کے پانچ درجات ہیں

۱۔ناسوت (یعنی مادی دنیا)۔۲۔ملکوت یعنی ما بعد الطبیعات (ملائکہ اور اعلیٰ مخلوقات کا عالم)۔۳۔جبروت یعنی روحانی کائنات (عالم ارواح)۔۴۔لاہوت یعنی غیبی دنیا جو ہماری نگاہوں اور عقلوں سے بھی غائب ہے۔۵۔غیاب الغیب جو

ہمارے لئے بالکل نا قابلِ ادراک اور نا قابلِ فہم ہے۔

ان تمام جہانوں پر خدا کی ربوبیت چھائی ہوئی ہے۔ خدا کی ربوبیت اس کا بے انتہا کرم ہے جو ہر چیز کو اس کی فطری صلاحیت کے مطابق ترقیوں کی منزلوں سے گزار کر تکمیل تک پہنچاتی ہے۔ اس ترقی کی راہ میں ہر چیز اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کے ذریعے اپنی کوشش کو بھی جاری رکھتی ہے۔ جو اس کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

ربوبیت کی شان

خدا کی ربوبیت کی شان دیکھئے کہ ہر ذی حیات کی مختلف خواہشات اور ضروریات ہیں اور کائنات میں وہ تمام چیزیں پہلے سے موجود ہیں جو اس کی خواہشات اور ضروریات کو پورا کرسکتی ہیں۔ اسی ہم آہنگی پر عقل حیران ہوجاتی ہے کہ خدا نے ہر وجود کی ضروریات پیدا کی ہیں اور ان ضروریات کو پورا کرنے کے وسائل پیدا کئے ہیں اور ہر مخلوق کو وہ طریقے بھی سکھادیے ہیں کہ کس طرح وہ اپنی ضروریات کو پورا کرے۔ اسی لئے فرمایا "اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کو ہدایت بھی دی"۔　　(قرآن)

مثلاً سورج کی گرمی سے پانی بخارات میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ وہ بخارات آسمان کی بلندی پر جاتے ہیں۔ ہوائیں ان کو زمین کے مختلف خشک حصوں تک لے جاتی ہیں۔ پھر وہی بخارات سرد ہو کر بارش بن جاتے ہیں اور خشک زمین کو سیراب کردیتے ہیں۔ جس سے جانوروں اور انسانوں کے لئے غذائیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایک ماں کے سینے میں بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ہی دودھ پیدا ہوجاتا ہے جو بچے کی غذا کا سامان بنتا ہے۔

یہ سب خداوندِ عالم کی ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیت کی شان ہے۔ یہ اس کی شانِ کرم ہے جس نے فطرت کے اندر ایک نظام اور ہم آہنگی کو پیدا کر دیا ہے۔ ہر شے کو اس کی ضروریات کے مطابق رزق عطا فرمایا ہے اور ہر چیز ایک باقاعدہ نظام کے تحت چل رہی ہے اور اپنی ضرورتیں حاصل کر رہی ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ”خداوندِ عالم نے وقت اور فاصلوں کے پیشِ نظر حالات کو منضبط کر دیا ہے۔ ان میں ہم آہنگی پیدا کر دی ہے۔ ذہنوں کو مسخر کر کے دلوں میں روح پھونک دی گئی ہے“۔ (نہج البلاغہ)

اسی موزوں اور مناسب حالت کو خدا کی مقرر کی ہوئی تقدیر کہا گیا ہے۔ یہ خداوند عالم کا منصوبہ ہے جو اس کے مقرر کیے ہوئے قوانین کے تحت کام کر رہا ہے۔ خدا کے تمام قوانین عین عدل کے مطابق ہیں۔ کوئی طاقت خدا کے مقرر کیے ہوئے ان قوانین کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ گویا قوانینِ فطرت خدا کی مقرر کی ہوئی تقدیر کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

خدا کی اس تقدیر کے تحت اپنے بندوں کی ہدایت فرماتا ہے۔ خدا کی ہدایات ہی کے تحت تمام تکوینی اور تشریعی قوانین کام کرتے ہیں اور ہماری ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ کیونکہ کائنات کی ہر چیز خدا کی ہدایات کے مطابق کام کرتی ہے۔

مثلاً ایک نوزائیدہ بچہ خدا کی ہدایت کے مطابق ہی ماں کا سینہ چوسنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا نظامِ ہضم خدا کی ہدایتوں کے مطابق کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ پودوں کی جڑیں زمین کے سینے سے ضروری نمکیات اور اجزا جذب کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ جو اُن کی نشونما کا سبب بنتا ہے۔ ایک مچھلی پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دیتی ہے۔ گویا تمام مخلوقاتِ عالم خدا کے اسی منصفانہ نظامِ ہدایت کے تحت کام کر رہے ہیں۔

اللہ نے فرمایا۔ ''بڑائی اور بزرگی تیرے پالنے والے مالک کے لئے ہے جو بہت اعلیٰ ہے۔ وہ جس نے ہر چیز کو با مقصد پیدا کیا ہے۔ جس نے منصوبہ بنایا اور ہدایت بھی کی۔ (سورۂ اعلیٰ آیت ۱،۲،۳)

تخلیقات میں ہم آہنگی

خداوندِ عالم کی تخلیقات میں مکمل ہم آہنگی ہے اور ہر چیز میں اس قادرِ مطلق کی قدرت دکھائی دیتی ہے۔ اس لئے وہی ساری کائنات کا واحد حاکمِ اعلیٰ ہے۔ کسی کی سکت نہیں ہے کہ اس کے قوانین کو بدل سکے کیونکہ زمین اور آسمان کا وہی اکیلا خالق مالک اور پالنے والا ہے۔ عالمین سے مراد زمین اور آسمانوں کے اندر جو کچھ بھی ہے وہ سب کا عالمین ہے۔ عالمین کی ابتدا وانتہا صرف خدا ہی جانتا ہے۔ ہماری معلومات بے حد محدود ہیں۔

خداوندِ عالم نے ہمیں اپنی بندگی اور اطاعت کی ہدایت فرمائی ہے تاکہ ہم اپنے آپ کو ہر برائی سے پاک کرسکیں۔ خدا کی کسی مخلوق کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ کریں۔ ہر مخلوق کا حق ادا کریں۔ یہی عدل ہے۔ خدا عدل کو پسند کرتا ہے اور ظلم کو ناپسند فرماتا ہے۔ جو جس قدر عدل کرتا ہے اسی قدر خدا کا پسندیدہ بن جاتا ہے۔ (بیان سرکار آقائے مرزا مہدی پویاؒ از تفسیر میر احمد علی)

عدل کا مطلب یہ ہے کہ ہر مخلوق کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے۔ کسی کا کوئی حق مارنا ظلم ہے۔ ہر ظلم انسان کو خدا سے دور کردیتا ہے۔ خدا بدلے کے دن کا مالک ہے۔ وہ قیامت کے دن ہر بُرائی کا بدلہ دے گا اور ہر نیکی کا اجر دس (۱۰) گنا دے گا۔

مالک اور قاضی میں فرق

اللہ نے یہاں خود کو بدلے کے دن کا قاضی نہیں بلکہ بدلے کے دن کا مالک فرمایا۔ قاضی اس لئے نہیں فرمایا کہ قاضی قانون بناتا نہیں ہے وہ صرف قانون نافذ کرتا ہے۔ جب کہ خدا قوانین بنانے والا بھی ہے اور نافذ کرنے والا بھی ہے۔ جب جرم ثابت ہو جائے تو قاضی اس کو معاف نہیں کرسکتا جب کہ مالک جو چاہے وہ کرسکتا ہے۔ چاہے تو وہ معاف کردے اور چاہے تو سزا دے۔ مالک کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''تنہائی میں گناہ کرنے سے ڈرو کہ جو گواہ ہے وہی حاکم بھی ہے''۔

صرف ایسے گناہ گار جن کے جرائم ناقابلِ معافی ہوں گے وہ قدرت کی فیاضیوں کو حاصل نہ کرسکیں گے اور وہ سزا پائیں گے مگر انسان کو چاہئے کہ وہ خدا کی پرستش کے لئے خود کو تیار کرے اور ساتھ ساتھ اس کے رحم و کرم کی امید بھی رکھے۔ بہر حال خدا کا مالک یوم الدین ہونا خدا کے عدل کو بتاتا ہے اور اس کا رب العالمین ہونا اور رحمان و رحیم ہونا اس کے رحم و کرم کو بتاتا ہے۔ اس لئے انسان کو خوف اور رجا کے درمیان رہنا چاہئے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: ''سب سے بڑا فقیہ (عالمِ دین) وہ ہے جو نہ تو لوگوں کو اللہ کے عدل سے بے خوف کردے اور نہ لوگوں کو اللہ سے ناامید کردے''۔ (نہج البلاغہ)

دعائے کمیل

اس کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ دعائے کمیل میں یہ دعا فرماتے ہیں: ''میرے مالک کیا میں تیری نگاہوں کے سامنے آگ میں پھینکا جاؤں گا؟ جب کہ میں تیری

وحدانیت کو دل سے مانتا ہوں۔ میری روح تیری محبت میں گرفتار ہے۔ میرا دل اپنے گناہوں کا اقرار کر رہا ہے............ میں ہمیشہ تیرے سامنے جھکتا رہا ہوں۔ اگرچہ گناہ کر کے میں تجھ سے ضرور دور رہا۔ مگر تیرے فیاضانہ سلوک اور مہربانیوں سے کبھی محروم نہیں رہا"۔

قیامت کا دن

قیامت کے دن تمام حقائق منکشف ہو جائیں گے۔ بچوں کے لئے انعامات اور بُروں کے لئے سزاؤں کا اعلان ہوگا۔ پھر سب کے سب خدا کے فیصلوں کے منتظر کھڑے ہوں گے۔ آخری فیصلہ خداوندِ عالم ہی فرمائے گا اس دن خدا کی لامحدود رحمتیں ظاہر ہوں گی۔ جب صور پھونکا جائے گا تو ارواح اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہوں گی۔ وقت اور فاصلے کا اثر مٹ جائے گا۔ ساری مخلوقات رب کے سامنے ایک ساتھ پیش ہوں گی۔ کیونکہ سب کو خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر ہر شخص اپنے ایمان و عمل کے درجے کے مطابق جزا پائے گا۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

خداوندِ عالم نے فرمایا: "تجھے معلوم ہو جائے گا کہ بدلے کا دن کیا ہے؟ وہ ایسا دن ہے جس میں روحیں اپنے علاوہ کسی اور روح کی مددگار نہیں ہوں گی۔ اس دن صرف اللہ کو مکمل اختیار حاصل ہوگا۔" (سورۂ انفطار)

قیامت کے دن ہر ہر فیصلہ خدا کی مرضی کے عین مطابق ہوگا۔ حتیٰ کہ جن کو خدا شفاعت کا حق عطا فرمائے گا وہ بھی خدا کی مرضی کے عین مطابق ہی خدا کی اجازت سے شفاعت کریں گے اور خدا ان کی شفاعت کو اپنی مرضی سے قبول فرمائے گا۔

آخری مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن تمام فیصلے خدا کی مرضی کے مطابق ہوں گے جو عین عدل اور خدا کی رحمت کے مطابق ہوں گے۔ قیامت کے دن خدا کی حاکمیت کا پورا اظہار ہوگا۔ ورنہ حقیقتاً حکومت اور حاکمیت ہمیشہ سے اللہ ہی کے لئے اور اللہ ہی کو زیب دیتی ہے۔ لیکن قیامت کے دن خدا کی حاکمیت سب پر پوری طرح واضح ہو جائے گی۔ اس لئے کہ وہاں ہر شخص حتیٰ کہ انبیائے کرامؑ بھی نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے یعنی آج میرا کیا حال ہوگا؟ میرا کیا انجام ہوگا؟ حضرتِ جنابِ رسولؐ خدا ''اُمتی اُمتی'' یعنی میری اُمت' میری اُمت کہہ رہے ہوں گے۔

اس لئے ہر انسان کو اپنی ذمہ داری سمجھنا ضروری ہے کیونکہ وہ خدا کا غلام ہے اس لئے اس کو خدا کے احکامات پر اس لئے عمل کرنا چاہئے کہ اس کا مالک اس سے راضی ہو جائے اور ساتھ ساتھ ہر انسان کو اس مقصد کے حصول کے لئے خدا سے مسلسل مدد طلب کرنی چاہئے۔

عبدیت کا مطلب

(بیان آیت اللہ مرزا مھدی پویاؒ از انگریزی تفسیر میر رحمت علیؒ)

غرض عبدیت کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی مرضی اور اپنے ارادے کو اللہ کی مرضی اور ارادے کے تابع کردے۔ اور پھر صرف اللہ سے مدد طلب کرے۔ اسی کو تسلیم و رضا کہتے ہیں، یہی اسلام کی حقیقت ہے۔ اسلام کے معنی تسلیم کردن و گردن نہادن بطاعت۔ یعنی خدا کو حاکمِ مطلق جاننے کو نظریہ سپردگی کہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام میں ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور انسان کی تمام کامیابیوں کا راز اللہ کی مرضی

کے سامنے سرِ اطاعت جھکا دینا ہے۔

اگر اللہ کسی پتھر کو چومنے کا حکم دے اور دو پہاڑوں کے درمیان بھاگنے کا حکم دے تو اللہ کا بندہ اللہ کا حکم بخوشی پورا کرتا ہے، صحراؤں کا سفر کرتا ہے اور اللہ کی اس اطاعت کے لئے وہ اللہ ہی سے مدد بھی طلب کرتا رہتا ہے کیونکہ اللہ کی عملاً اطاعت خدا کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ جب اللہ توفیق عطا فرماتا ہے تب ہی انسان اللہ کی اطاعت کر پاتا ہے۔

مگر اللہ یہ توفیق انہی لوگوں کو دیتا ہے جو اللہ کی اطاعت کا پکا ارادہ کرتے ہیں اور پھر اللہ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ خدا کی مرضی کے خلاف جتنے بھی اعمال اور راستے ہیں وہ سب کے سب گمراہیاں اور تباہیاں ہیں۔ اسی لئے ہم اللہ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین ہم صرف تیری غلامی کرتے ہیں (اس لئے) صرف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

یہی عقیدہ اور عمل توحید کی حقیقت ہے۔ جو ہر سچا مسلمان اپنی انفرادی نماز میں بھی ظاہر کرتا ہے اور نماز جماعت میں ایک قوم کے رکن کی حیثیت سے بھی اللہ کی مدد طلب کرتا ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت کے لئے صرف اللہ سے مدد طلب کرتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ انسان مکمل طور پر آزاد نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کے تمام اعمال اور فیصلے ان قوانین کے تابع ہیں جو خالق نے اپنے اختیار سے نافذ کیے ہیں۔ خدا کے قوانین ہی کو تقدیر کہتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: کہ انسان کی ہر حرکت اللہ کے قوانین سے مشروط ہے۔ اس لئے انسان بالکل آزاد نہیں ہے۔ اسی لئے تو خدا سے مدد طلب کرتا ہے۔ اگر وہ مکمل با اختیار ہوتا تو پھر خدا سے کیوں مدد طلب کرتا؟ انسان مکمل مجبور ہوتا تو پھر وہ

کیسے کہتا کہ ایاک نعبد ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔ معلوم ہوا انسان جبرو اختیار کے درمیان میں ہے۔ انسان کو ایک حد تک آزادی بھی حاصل ہے۔ اسی حد تک وہ اپنے اعمال کا خود ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔

حضرت آقا پویاؒ نے مزید فرمایا: بغیر عمل کے کوئی ردعمل نہیں پیش آتا اور اگر عمل کا کوئی ردعمل نہ ہو تو عمل بے نتیجہ سمجھا جائے گا۔ انسان کا ہر اچھا عمل اللہ کے لامحدود لطف وکرم کا نتیجہ ہے لیکن برائی مخلوق کے اپنے ردعمل کا نتیجہ ہے۔

خداوند عالم نے فرمایا: "(اے انسان)! جو کچھ نیکی اور فائدے ہیں وہ تجھ کو اللہ کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں اور جو برائی ہے وہ خود تجھ سے صادر ہوئی ہے"۔

(سورہ نساء)

جو شخص نیک عمل کی توفیقات خدا سے مانگتا ہے وہ خدا کو اپنا پالنے والا مالک تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے خدا کی لامحدود رحمتیں اس کا ہاتھ تھام لیتی ہیں۔ پھر جب وہ خدا کی مدد یعنی توفیقِ اطاعت کی وجہ سے خدا کی اطاعت کرتا ہے، تو اللہ کی غیبی رحمتیں اس کو گھیر لیتی ہیں۔ اگر اس کی دعا وقتی طور پر قبول نہ بھی ہو تب بھی اس کو یہ اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ اس نے ایک حقیقی صاحب اقتدار ہستی کے سامنے اپنی درخواست رکھ دی ہے جو کہیں بہتر جانتا ہے کہ دعا کو کب قبول کیا جائے؟

اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ وہاں کسی سبب سے تاخیر ہو سکتی ہے۔ وہ بھی ہمارے ہی فائدے کے لئے۔ لیکن انسان کو اپنی تکمیل کے لئے خدا کی اطاعت میں سخت کوشش کرنا ضروری ہے۔ انسان کی کوششوں ہی کی وجہ سے خدا انسان کو کامل بنا دیتا ہے۔ جس قدر انسان خدا کی اطاعت میں کوشش کرتا ہے اس قدر کامل مکمل اور

کامیاب ہوگا۔خدا کی اطاعت خدا کی ہدایتوں ہی سے ممکن ہے اور خدا کی ہدایت صرف جناب رسولؐ خدا اور ائمہ اہلِ بیتؑ سے مل سکتی ہے کیونکہ ان کو خدا نے پوری طرح پاکیزگی بخشی ہے۔اور اپنا نمائندہ اور خلیفہ بنایا ہے۔

دین کے معنی بدلہ

یعنی ہمارے اعمال کا بدلہ۔اچھے اعمال کے بدلے کو جزا کہتے ہیں اور برے عمل کے بدلے کو سزا کہتے ہیں۔جزا اور سزا کا یہ نظام جو خدا نے بنایا ہے،اللہ کے نظامِ ربوبیت اور رحمانیت کا منطقی تقاضا ہے۔یہ حکمت،عدالت اور شرافت کا بھی تقاضا ہے تاکہ جو لوگ خدا کی عملاً اطاعت کریں ان کو خصوصی انعامات دیئے جائیں۔نیکوں اور بدکاروں کا فرق معلوم ہو سکے۔نیکی کا اچھا بدلہ اور برائی کا برا بدلہ مل سکے۔

ویسے تو دنیا میں بھی خدا ہی ہر چیز کا مالک ہے۔مگر دنیا میں محدود پیمانے پر مخلوق بھی مالکیت کا دعویٰ کرتی ہے لیکن قیامت کے دن کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہونے کا دعویٰ بھی نہ کر سکے گا۔وہاں تو صرف اور صرف اللہ ہی فیصلے فرمائے گا۔اس لئے کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(حضرت سرکار آقائے پویاؒ)

یہ دنیا عالم اسباب ہے

مدد صرف خدا سے مانگنی چاہئے کیونکہ وہی تمام طاقتوں کا مالک ہے۔حقیقی مددگار وہی ہے،باقی چیزوں سے مدد لینا ان کو صرف اسباب سمجھ کر جائز ہے۔کیونکہ اللہ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے۔خدا کا ہر کام کسی واسطے سے انجام پاتا ہے۔مثلاً شفا

اللہ دیتا ہے لیکن ذریعہ ڈاکٹر یا دوا ہوتی ہے۔ اسی لئے جب حضرت موسیٰؑ بیمار ہوئے اور انھوں نے دعا کی تو مرض اور بڑھ گیا۔ پھر دوسرے دن دعا کی تو مرض اور بڑھ گیا۔ آخر مجبور ہو کر کوہِ طور پر گئے اور خدا سے شکایت کی تو وحی ہوئی کہ "اگر دعا کرتے کرتے تمھاری گردن بھی ٹوٹ جائے گی تب بھی میں اس وقت تک شفا نہ دوں گا جب تک دوا نہ کرو گے کیونکہ دوا کو میں نے ہی شفا کا ذریعہ بنایا ہے"۔ (الحدیث)

اسی لئے قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ لوگوں سے مدد مانگتے ہیں۔ فرمایا: من انصاری اِلیٰ اللہ یعنی کون ہے جو اللہ کی راہ میں میری مدد کرے؟

پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خداوند عالم خود فرماتا ہے۔ یاایھاالذین آمنوا ان تنصروا اللہ ینصر کم (سورہ محمدؐ ۷) یعنی اے ایماندارو۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھاری مدد کرے گا۔

جب خدا خود بندوں سے مدد مانگ سکتا ہے جبکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، تو یہ صرف یہ بتانے کے لئے ہے کہ دنیا میں ہر کام کسی سبب کے ذریعے پورا ہوتا ہے۔ اصل مددگار صرف خدا ہی ہے۔ باقی سب خدا کے دیئے ہوئے اسباب ہیں۔ اس لئے ہمیں خدا کی سنت اور حکم سمجھ کر اس کے بنائے ہوئے اسباب سے مدد حاصل کرنی چاہیئے۔

(سرکار آقائے مرزا مہدی پویاؒ)

انبیاءؑ اور اولیاءؒ اللہ سے مدد

رہا انبیاء اور اولیاءؒ انبیاء سے مدد طلب کرنا تو وہ بھی خدا کے خاص بندے ہیں، جن کی دعائیں اللہ ان کی اطاعت کی وجہ سے قبول کرتا ہے اس لئے ان سے شفاعت کی

درخواست کر کے مدد مانگی جا سکتی ہے کیونکہ یہ بھی اللہ کی مدد حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اب ہمارا یہ کہنا کہ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تجھ سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو کر کسی کو اپنا مددگار نہیں سمجھتے۔ اصل مددگار تو ہی ہے۔ تو نے ہی اسباب پیدا کئے ہیں اور تو ہی نے ان سے ہمیں فائدہ حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ پانی کو تو نے پیدا کیا اور تو ہی نے حکم دیا کہ ہم اپنی پیاس پانی پی کر بجھائیں۔ اس لئے ہم ان اسباب کو صرف ظاہری سبب سمجھ کر ان سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ہمارے اندر دل کی گہرائیوں میں تیری طاقت کا احساس زندہ رہتا ہے کہ تو نے ہی پانی کو یہ صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ پیاس بجھانے کا سبب (ذریعہ) بنا ہوا ہے۔

اسی طرح تو نے ہی انبیأ اور اولیأ کو شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ تجھ سے شفاعت فرما کر ہماری دعائیں قبول کرواتے ہیں۔ غرض یہ تمام وسائل خداوند عالم کے ہی فراہم کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے مدد حاصل کرنے کا اصل مرکز صرف اور صرف خدا ہے۔ مگر اسباب کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے تا کہ وہ ہماری ضرورتیں پوری کریں۔ اس لئے اس عالمِ اسباب میں اسباب کو رد کرنا خدا کے منصوبے کو رد کرنے کے برابر ہے۔ (مؤلف)

جو گناہ بخشتا ہے وہ خدائے لم یزل ہے جو گناہ بخشوائے اسے آپ کیا کہیں گے؟

خداوند عالم نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو شفاعت کا حق دے کر ہمارے گناہ بخشوانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس لئے خدا نے جناب رسولؐ خدا کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے اور آلِ محمدؐ کی محبت کو ہم پر واجب کیا ہے۔

اھدنا الصراط المستقیم

ہمیں سیدھا راستہ دکھاتا رہ

یعنی اے اللہ! زندگی کے ہر شعبے میں ہمیں عمل اور برتاؤ کا وہ طریقہ سکھا دے جو سو فی صد صحیح ہو۔ جس میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو۔ جس کا انجام برا نہ ہو۔ جس راستے پر چل کر ہم حقیقی کامیابی حاصل کر سکیں، یعنی "اے خدا تو ہماری رہنمائی فرما۔ ہمیں خود بتا دے کہ کون سا فلسفۂ زندگی درست ہے؟ سیدھا سچا کھرا راستہ کون سا ہے؟ صحیح ترین نظامِ اخلاق اور زندگی گزارنے کا لائحہ عمل کیا ہے؟ زندگی کے ان بے شمار طریقوں اور راستوں میں فکر و عمل کا صحیح اور سیدھا راستہ کون سا ہے؟ یعنی وہ راستہ بتا جس پر ہمیشہ سے تیرے منظورِ نظر، کامیاب ترین لوگ چلتے رہے ہیں، وہ بے خطا راستہ دکھا کہ جو بھی اس راستے پر چلا وہ تیرے انعامات کا مستحق ہوا اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہوا"۔

مگر انعامات پانے والوں سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو عارضی طور پر ظاہراً دنیا کی نعمتوں سے مالا مال ہوئے اور بالآخر تیرے غصہ اور عذاب کے مستحق قرار پائے۔ بلکہ انعام پانے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو تیرے حقیقی اور پائیدار انعامات ملے۔ کیونکہ دنیا کی نعمتیں انعاماً نہیں دی جاتی ہیں التجا سے دی جاتی ہیں، التجا اور کوششوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ حقیقی نعمتیں نہیں ہیں۔

صاحب تفسیرِ مجمع البیان (طبرسیؒ) نے لکھا کہ الصراط (راستے) کے کئی مفہوم ہیں۔ ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اس سے مراد اللہ کی کتاب ہے (جو سیدھا راستہ سکھاتی ہے) جناب رسولِ خداؐ اور حضرت علیؑ نے بھی صراطِ مستقیم کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے۔ (مجمع البیان)

یا علیؑ مدد کہنے کا جواز

رسولؐ اللہ یا حضرت علیؑ کو مدد کے لئے بلانا اصل میں ان سے یہ درخواست کرنا ہے کہ وہ خدا سے ہماری شفاعت کریں۔ یا اللہ سے ہمارے لئے دعا کریں اور ان کی شفاعت برحق ہے۔

نیز یہ کہ ہم جس طرح زندہ لوگوں سے مدد طلب کرتے ہیں اسی طرح انبیاؑ اور ائمہ اطہارؑ سے بھی توسل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بھرپور زندگی رکھتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ سے رزق حاصل کرتے ہیں۔ وہ ہمیں سن سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے ہم ان سے یہ سمجھ کر مدد طلب کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے مقرب بندے ہیں اور اللہ کی اجازت سے ہماری مدد فرما سکتے ہیں۔

اگر عام آدمی سے یہ سمجھ کر مدد مانگنا حرام نہیں کہ اصل مددگار اللہ ہے اور یہ آدمی صرف ایک وسیلہ ہے، تو جنابِ رسولِؐ خدا اور ائمہ اہلِ بیتؑ سے مدد طلب کرنا کیسے حرام ہو سکتا ہے؟ جب کہ خداوندِ عالم نے خود ان کو ہماری ہدایت کرنے کے لئے واسطہ بنایا ہے۔ ہمیں ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ وہ سن سکتے ہیں کہ نہیں؟ تو تمام مسلمان نماز میں رسولؐ خدا کو سلام کرتے ہیں اور اس کے بعد تمام صالحین ؓ کو بھی سلام کرتے ہیں۔ اگر رسولؐ خدا اور صالحین امت ہمارا سلام سن ہی نہیں سکتے تو سلام کرنا مہمل عمل ہوا۔ اللہ کسی بے معنی عمل کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟

حکم ہے کہ جب قبرستان جاؤ تو اہلِ قبور کو سلام کرو۔ معلوم ہوا کہ تمام قبر والے

سلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اگر ہر مسلمان مرنے کے بعد سن سکتا ہے تو رسولؐ خدا اور ائمہء اہلِ بیتؑ جو ارواحِ عالیہ میں سے ہیں' کیوں نہیں سن سکتے؟
(تفسیر انوار النجف)

جہنم کے دروازے

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: "جہنم کے سات (۷) دروازوں میں سے پہلے دروازے پر لکھا ہے:

(۱) جو اللہ سے امید اور اپنی توقعات باندھتا ہے وہ خوش قسمت ہے۔

(۲) جو خدا سے واقعاً ڈرتا ہے وہ قیامت میں بے خوف (پرسکون) ہوگا۔

(۳) برباد وہ ہوگا جو خدا کے غیر سے توقعات رکھے، اور خدا کے غیر سے ڈرے۔

جہنم کے دوسرے دروازے پر لکھا ہے۔

(۱) جو قیامت اور (جہنم کی) بھوک سے بچنا چاہتا ہے وہ دوسروں کو کھانا کھلائے۔

(۲) جو قیامت میں ننگا اٹھنا نہیں چاہتا وہ دوسروں کو کپڑے پہنائے۔

(۳) جو قیامت (اور جہنم) کی پیاس سے بچنا چاہتا ہے وہ پیاسوں کی پیاس بجھائے۔

جہنم کے تیسرے دروازے پر لکھا ہے۔

(۱) جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔

(۲) کنجوسوں پر خدا کی لعنت ہے۔

(۳) ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

جہنم کے چوتھے دروازے پر لکھا ہے۔

(۱) اسلام کو ذلیل کرنے والا خدا کے نزدیک ذلیل ہے۔

(۲) اہلِ بیتِ رسولؐ کی توہین کرنے والا خدا کے نزدیک ذلیل ہے۔

(۳) ظالموں کی مدد کرنے والا خدا کے نزدیک ذلیل ہے۔

جہنم کے پانچویں دروازے پر لکھا ہے۔

(۱) اپنے نفس کی بری خواہشات پر عمل نہ کرو کیونکہ یہ ایمان کی دشمن ہیں۔

(۲) بے محل اور بے موقع بات نہ کرو کیونکہ اس کے نتیجے میں خدا کی رحمت سے دور ہو جاؤ گے۔

(۳) کبھی ظالموں کی مدد نہ کرنا۔

جہنم کے چھٹے دروازے پر لکھا ہے۔

(۱) میں (یعنی جہنم) نیک کاموں میں سخت کوششیں کرنے والوں پر حرام ہوں۔

(۲) میں صدقہ، خیرات دینے والوں پر حرام ہوں۔

(۳) میں روزہ داروں پر حرام ہوں۔

جہنم کے ساتویں دروازے پر لکھا ہے۔

(۱) حساب لئے جانے سے پہلے خود اپنا حساب کرلو۔ یعنی اپنی برائیوں کو جانچ لو۔

(۲) خدا کی ڈانٹ پھٹکار سننے سے پہلے اپنے آپ کو سمجھا کر ڈانٹو اور ڈپٹو اور خود کو برائی سے روکو۔

(۳) خدا کی بارگاہ میں پیش ہونے سے پہلے خدا سے دعائیں کر کر کے اپنے گناہ معاف کرالو اور اس کی رحمتوں کو سمیٹ لو۔

ان تمام نیکیوں کو حاصل کرنے اور برائیوں سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم

سورہ فاتحہ کو سمجھ کر پڑھیں تو ہم اپنے اندر جنتیوں کی صفات پیدا کر سکتے ہیں اور جہنمیوں کی صفات سے خود کو پاک کر سکتے ہیں۔ اسی لئے سورۂ فاتحہ کو جنت کی چابی کہنا بالکل درست ہے۔ (تفسیر انوار النجف)

سورہ فاتحہ میں ہم خدا سے ہدایت کا سوال کرتے ہیں۔ جس کے جواب میں ہمیں خدا بھی اپنی عملاً اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ صاحبانِ نعمت کی معرفت، پہچان اور ان کی محبت عطا فرماتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہم ان کی عملاً پیروی کرنے لگتے ہیں یہی صراطِ مستقیم پر چلنا ہے، منزل کو پا جانا ہے۔ جس کے نتیجے میں ہم وہیں پہنچ جاتے ہیں جہاں صاحبانِ نعمت پہنچتے ہیں۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ اگر میں اپنی گاڑی آپ کی گاڑی کے پیچھے لگا لوں اور جہاں آپ مڑیں وہاں میں مڑوں اور جہاں آپ تیز چلیں وہاں میں تیز چلوں۔ جہاں آپ آہستہ چلیں تو میں بھی آہستہ چلوں۔ تو نتیجتاً میں وہیں پہنچوں گا جہاں آپ پہنچیں گے۔ اسی لئے خداوند عالم نے ساری ہدایت کو جنابِ رسولِ خدا کی پیروی کے اندر سمیٹ دیا ہے۔ فرمایا: ''اے رسولؐ کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو (نتیجتاً) اللہ خود تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا''۔

(قرآن)

واضح نتیجہ نکلا کہ اگر ہم رسولِ خدا کی عملاً پیروی کریں گے تو اللہ کے محبوب بن جائیں گے۔ اللہ خود ہم سے محبت فرمائے گا۔

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو شخص ہم (محمدؐ وآلِ محمدؐ) کی اطاعت کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ ہوگا، ہمارے درجات میں ہوگا''۔ (الحدیث از اصولِ کافی)

امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: ''جو ہم سے سچی محبت کرتا ہے اور اس محبت کی وجہ سے جب ہماری تکلیف کو سنتا ہے تو اس کے دل میں درد اٹھتا ہے، وہ ہمارے ساتھ ہوگا اور ہمارے درجات میں ہوگا۔ (معنا فی درجاتنا)۔ (بحارالانوار)

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: '' جان لو کہ جو آلِ محمدؐ کی محبت میں مرا وہ شہید مرا...... مغفور مرا،......اس کو اس طرح سجا بنا کر جنت لے جایا جائے گا جیسے دلہن کو سجا کر اس کے گھر لے جایا جاتا ہے۔۔۔۔ جو آلِ محمدؐ کی محبت میں مرا، تائب مرا''۔

(تفسیر کبیر امام رازیؒ در تفسیر آیۂ مودّت)

اس معرفت و محبتِ الٰہی اور محبت محمدؐ وآلِ محمدؐ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کی عبادت اور اطاعت ایک پرکیف و پرلطف عمل بن جائے گا۔ اللہ کی اطاعت کر کے انسان کو قلبی خوشی اور سکون حاصل ہوگا۔ اس کا نفس، نفسِ مطمئنہ بن جائے گا۔ وہ جس قدر خداوندِ عالم کی رحمانیت رحیمیت اور عطاؤں پر غور و فکر کرے گا، اسی قدر وہ اللہ کی طرف کشش محسوس کرے گا۔

کیونکہ وہ جان لے گا کہ اللہ ہم سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ ہمیں ہر ہر طرح سے فائدے پہنچاتا ہے۔ ہماری حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ہماری دعائیں قبول کرتا ہے۔ اس لئے تمام تعریفیں ایسے ہی خدا کو زیب دیتی ہیں۔ عبادت واطاعت صرف اسی کے لئے وقف ہیں۔ کیونکہ وہی ہماری بقاء اور خوش حالی کا ضامن ہے۔ وہی ہمیں پالنے والا مالک ہے۔ اس لئے ساری کائنات اور ماورائے کائنات کا تنہا خالق و مالک ہے۔

اس لئے ساری کائنات ہماری طرح ایک ادنیٰ مخلوق ہے اور سب سے اعلیٰ اور برتر خدا کی ذات ہے جو سب کا خالق و مالک ہے۔ اس فکر سے دل میں خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ مخلوق کے لئے شفقت پیدا ہوتی ہے۔ وسیع النظری پیدا ہوتی ہے۔ ذہن کشادہ ہوتا ہے۔ خدمتِ خلق اور انسان دوستی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا خالق مالک نہیں جانتا اور اللہ کی مخلوق کو خدا کی عیال سمجھ کر ان سے محبت بھی کرتا ہے اور ان کی خدمت بھی کرتا ہے۔ اللہ سے اس کی فیاضی کو طلب کرتا ہے۔ نیک لوگوں سے قرب پسند کرتا ہے اور برائی سے دوری اختیار کرتا ہے۔

(ملخص از: تفسیر میر احمد علی و حضرت آقا پویاؒ)

سورہ فاتحہ کی اہمیت

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ خداوند عالم نے توریٰۃ، انجیل، زبور بلکہ قرآن میں بھی ایسی کوئی سورت نازل نہیں فرمائی جیسی سورۂ فاتحہ ہے۔ اس لئے یہی سورہ اُم الکتاب (قرآن کی جڑ بنیاد) ہے۔

(تفسیر مجمع البیان)

ابنِ عباسؓ نے فرمایا: ''ہر چیز کی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ قرآن کی اساس اور بنیاد سورۂ فاتحہ ہے''۔ (تفسیر مجمع البیان)

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''جو شخص سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اس کو وہی ثواب ملتا ہے جو دو دہائی قرآن پڑھنے والے کو ملتا ہے''۔ (تفسیر مجمع البیان)

دوسری حدیث میں ہے کہ جو سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو اس کو پورا قرآن پڑھنے کا

ثواب ملتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

نوٹ: اگر کوئی پوری توجہ کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو اس کو پورے قرآن کا ثواب ملتا ہے، کیونکہ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔ (مؤلف)

جو شخص سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اس کو اتنا ثواب ملتا ہے کہ جتنا اس کو ملے گا، جو ہر مومن و مومنہ کو کوئی ہدیہ پیش کرے۔ (تفسیر مجمع البیان)

یہ ثواب غالباً اس شخص کو ملتا ہے جو سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب تمام مومنین کو ہدیہ کردے۔ (مؤلف)

سورہ حمد پڑھنے والے کو پورے قرآن پڑھنے کا ثواب اس لئے بھی ملتا ہے کہ پورے قرآن میں ایمان و عمل کا پیغام دیا گیا ہے اور سورۂ فاتحہ میں بھی شروع میں ایمان کا ذکر ہے اور ہدایت مانگنے سے عمل کرنے کی دعا ہے۔ اس طرح سورہ حمد ہی میں ایمان و عمل دونوں جمع ہو جاتے ہیں، اس لئے سورۂ حمد کو پوری توجہ سے پڑھنے کا ثواب پورے قرآن کے پڑھنے کے برابر ہے۔ (تفسیر نمونہ)

اھدنا الصراط المستقیم

"ہمیں سیدھا راستہ دکھاتا رہ"

اللہ سے مدد مانگتے ہوئے مومن سب سے پہلا سوال یہ کرتا ہے کہ مالک "مجھے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا رہ"۔ یعنی مجھے اپنی اطاعت کرتے رہنے کی توفیق اور صلاحیت عطا فرماتا رہ۔ ایمان و عمل کے راستے پر چلاتا رہ۔ اپنی ہدایتوں سے نوازتے رہنا۔ کیونکہ تیری یہی ہدایت اور توفیقات تیری سب سے بڑی نعمت ہیں جو تمام

نعمتوں اور کامیابیوں کی چابی ہے۔ جس کا نتیجہ تیرے پیاروں کی معیت اور تیرا قرب دائمی ہے۔ (تفسیر کبیر از: رازی)

رہا یہ سوال کہ کیا ہم گمراہ ہیں؟ کہ ہم خدا سے ہدایت طلب کر رہے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ (۱) ہمیں ہر ہر لمحہ شیطانوں اور گمراہ کر دینے والے خیالات و جذبات کا خوف ہے۔ اس لئے ہم اللہ سے دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ۔

(۲) نیز ہماری توفیقات میں مزید اضافے فرماتا رہ تا کہ ہم اور زیادہ بہتر سے بہتر طریقے پر تیری اطاعت کرتے رہیں اور تیری نافرمانیوں سے بچتے رہیں کیونکہ یہی اصل ترقی ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

ہماری مثال بلب کی سی ہے کہ جب تک اس میں بجلی پہنچ رہی ہے وہ چمک رہا ہے۔ اسی طرح جب تک اللہ کی ہدایات اور توفیقات ہم تک پہنچتی رہتی ہیں ہم ہدایت کی منزلوں میں آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ ورنہ ہمارے قدم ڈگمگا جائیں گے۔ بلب کی طرح ہم بھی اللہ سے ہدایت کی روشنی کے ملنے کے محتاج ہیں۔ اگر ہم خدا کی سخت نافرمانیاں کرتے ہیں تو اپنے اور خدا کے فیض اور رحمت کے درمیان رکاوٹ حائل کر دیتے ہیں۔ پھر ہدایت کے سرچشمے سے، یعنی اللہ سے، ہمارا رابطہ کٹ جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ اس لئے ہم خدا سے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ "ہمیں سیدھا راستہ دکھاتا رہ"۔ یعنی "ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ"۔ اس دعا اور خدا کی توفیقات کی وجہ سے ہم ہدایت کی بلندیوں پر چڑھتے

چلے جاتے ہیں یعنی خدا اور اس کے رسولؐ کی عملاً بہتر سے بہتر طور پر اطاعت کرتے جاتے ہیں۔ برائیوں یعنی خدا کی نافرمانیوں سے بچتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ترقی کی لامتناہی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں اسی کو سیرِ تکامل یعنی تکمیل کا سفر کہتے ہیں۔ اسی لئے انبیائے کرامؑ بھی یہی دعا مانگتے ہیں تاکہ وہ اور بہتر سے بہتر طور پر مکمل بلکہ اکمل ہوسکیں اور قربِ الٰہی کے مستحق بن سکیں۔ (تفسیرِ نمونہ)

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں؟
اب دیکھئے کہ ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں؟

اسی لئے جنابِ رسولِؐ خدا یہ دعا مانگا کرتے تھے "ربِ زدنی علماً"۔ خدایا میرے علم میں اضافے فرماتا رہ۔ (القرآن)

معلوم ہوا ہدایت کا لازمہ علم ہے کیونکہ خدا جب علم دیتا ہے تو وہی علم ہماری ہدایت کرتا ہے اور علم غور و فکر کرنے سے ملتا ہے۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
(اقبالؒ)

نیز یہ کہ اس دعا کی وجہ سے خدا ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اور اضافہ فرماتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے۔ (قرآن۔ سورہ محمد۔ آیت ۱۷)

یعنی ان کو یہ توفیق دیتا ہے کہ وہ ان تمام فرائض کو اچھی طرح ادا کریں جو خدا نے ان پر مقرر کیے ہیں اور خدا کی تمام نافرمانیوں سے بچیں۔

جنابِ رسولِؐ خدا نے اھدنا الصراط المستقیم کے معنی اس طرح بیان

فرمائے کہ ہم خدا سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ''اے اللہ تو نے جو توفیقات ہمیں ماضی میں عنایت فرمائی ہیں اور جن کی وجہ سے ہم تیری اطاعت کرتے رہتے ہیں، انہی توفیقات اور صلاحیتوں کو ہمارے لئے اسی طرح ہمیشہ باقی رکھ، تا کہ ہم آئندہ (اور بہتر سے بہتر طریقے سے) تیری اطاعت کر سکیں''۔

(تفسیرِ صافی، معانی الاخبار، تفسیرِ امام حسن عسکریؑ)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''**اھدنا الصراط المستقیم** کا مطلب یہ بھی ہے کہ اے خدا ہمیں اپنے اس راستے پر ثابت قدم رکھ جو تیری محبت اور تیری جنت تک لے جاتا ہے، اور یہی وہ راستہ ہے جو ہلاک و برباد کرنے والی بری خواہشات اور تباہ کرنے والے خیالات سے ہمیں روکتا اور بچاتا ہے۔

(تفسیرِ صافی، معانی الاخبار، تفسیر امام حسن عسکریؑ)

قرآن کی رو سے صراطِ مستقیم کیا ہے؟

اللہ فرماتا ہے: ''اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد (وعدہ) نہیں لیا تھا کہ ہرگز شیطان کی غلامی و اطاعت نہ کرنا، کیونکہ یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری عبادت، غلامی اور مکمل اطاعت کرنا کہ یہی صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ ہے۔''

(سورہ یٰس ۶۰، ۶۱)

اب یہ راستہ کیسے ملے گا؟

خداوندِ عالم نے فرمایا: ''جن لوگوں نے اللہ کی اطاعت کو مضبوطی سے تھامے رکھا (یعنی خدا کی اطاعت پر عملاً جمے رہے) انہوں نے صراطِ مستقیم کی ہدایت پائی''۔ (القرآن)

مفسرین نے صراطِ مستقیم کے معنی (۱) اسلام لئے ہیں (۲) رسولؐ خدا کی عملاً پیروی کرنا لکھا ہے۔ (۳) ائمہ اہلِ بیتؑ کا طریقۂ زندگی اختیار کرنا مراد لئے ہیں (۴) خدا کا آئین، قانون یا شریعت پر چلنا مراد لیا ہے۔ (۵) نیز قرآن کی تعلیمات مراد لی ہیں۔

(۶) جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''صراطِ مستقیم انبیائے کرامؑ کا راستہ ہے کیونکہ انبیاء ہی وہ ہستیاں ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ (تفسیرِ نمونہ)

(۷) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''صراطِ مستقیم اس امام کا راستہ اختیار کرنا ہے جسے خدا نے مقرر فرمایا ہے۔ اس کو پہچان لینا صراطِ مستقیم پر آجانا ہے''۔ (کیونکہ ائمہ اہلِ بیتؑ تمام انبیائے کرامؑ اور قرآنِ مجید کے حقیقی وارث ہیں) (تفسیر نور الثقلین جلد۔۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''صراطِ مستقیم سیدھے راستے سے مراد حق کا راستہ ہے، جو صرف خدا کے مقرر کیے ہوئے حقیقی امام کی معرفت سے حاصل ہو سکتا ہے''۔

امام نے مزید فرمایا ''خدا کی قسم ہم (محمدؐ و آلِ محمدؐ) ہی صراطِ مستقیم ہیں''۔

(تفسیرِ علی ابنِ ابراہیم)

صراطِ مستقیم یعنی سیدھے راستے سے امیر المومنین حضرت علیؑ کی معرفت مراد ہے۔

(امام جعفر صادقؑ از کتاب معانی الاخبار)

صراط مستقیم امامؑ کی اطاعت سے مربوط ہے

صراطِ مستقیم سے اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا راستہ مراد ہے اور یہ راستے دو ہیں۔ ایک دنیا کا راستہ اور دوسرا آخرت کا راستہ۔ دنیا میں حق کا راستہ اور یہ راستہ وہ

امامؑ ہوتا ہے جس کی اطاعت خدا کی طرف سے فرض ہوتی ہے۔ اس لئے جو دنیا میں رہ کر اس امامؑ کی معرفت حاصل کر لے گا اور اس امامؑ کی ہدایت پر عمل بھی کرے گا تو وہ اسی صراط (پل) سے پار ہو جائے گا جو صراط (راستہ) آخرت میں ہو گا یعنی وہ آخرت میں پل صراط پر سے بہ آسانی سے پار ہو جائے گا۔

مگر جو شخص دنیا میں اس امامؑ کی معرفت حاصل نہ کرے گا جس کو خدا نے ہدایت پر مقرر فرمایا ہے، تو قیامت کے دن پل صراط سے اس کے قدم پھسل جائیں گے اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(امام جعفر صادقؑ از کتاب معانی الاخبار تفسیر نور الثقلین)

پل صراط کیا ہے؟

پل صراط کی چڑھائی: ایک ہزار سال کی راہ چلنے کی برابر ہوگی اور اس کی اترائی ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔

(امام جعفر صادقؑ از تفسیر ابن ابراہیم)

وہ پل صراط بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ کچھ لوگ بجلی کی رفتار سے اس پر سے گزریں گے، کچھ گھوڑے کی رفتار سے اس کو پار کریں گے کچھ پیدل اور کچھ ہاتھ پاؤں سے چل کر، اور کچھ پیٹ کے بل چل کر اس کو پار کریں گے۔ کچھ لٹک لٹک کر اور چمٹ چمٹ کر اسے عبور کریں گے۔ جہنم ان کا کچھ حصہ جلد جلا دے گی اور کچھ حصہ چھوڑ دے گی۔　(امام صادقؑ: از تفسیر نور الثقلین)

نوٹ: جس طرح انسان، دنیا میں امامِ وقت کے احکامات پر چلا تھا اسی طرح

پلِ صراط پر سے گزر جائے گا۔ اگر اطاعت میں وہ جوش و خروش، خلوص اور پابندی نہ ہوئی تو جس قدر کمی ہوگی اسی قدر وہاں کی رفتار بھی کم اور کمزور ہوگی کیونکہ قیامت کا دن (یوم الدین) بدلے کا دن ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ (مؤلف)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "صراطِ مستقیم (کی پہچان) امیر المومنینؑ حضرت علی ابن ابی طالبؑ) ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے امامؑ ہیں جن کو خدا نے ہماری ہدایت کے لئے معین فرمایا ہے۔ (معانی الاخبار۔ تفسیرِ نور الثقلین)

حضرت علیؑ نے فرمایا: اھد نا الصراط المستقیم کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بات کی توفیق (صلاحیت) عطا فرماتا رہ کہ جس کی وجہ سے ہم تیری عملاً اطاعت کرنے کے قابل ہوئے ہیں تاکہ ہم تیری اسی توفیق کی وجہ سے اپنی باقی عمر کو بھی تیری اطاعت کرتے ہوئے خرچ کریں یعنی تیری اطاعت کرتے رہیں۔

صراطِ مستقیم یعنی سیدھے راستے دو ہیں دنیا میں سیدھا راستہ وہ ہے جس میں نہ غلو (انتہا پسندی) ہو اور نہ تقصیر (کمی) ہو جو بالکل سیدھا ہو۔ باطل کی طرف ذرا سا بھی مائل نہ ہو اور آخرت میں سیدھا راستہ اہلِ ایمان کا وہ راستہ ہوگا جو انہیں سیدھا جنت میں لے جائے گا اور جو جنت سے ہٹ کر جہنم کی طرف نہ جاتا ہوگا۔

(حضرت علیؑ: از معانی الاخبار)

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں صراطِ مستقیم وہ ہے کہ جس میں نہ انتہا پسندی ہو۔ نہ خدا رسولؐ کی اطاعت و معرفت میں کمی کا پہلو ہو۔ وہ راستہ جو سو فیصد خدا کے احکامات اور رسولؐ کی سیرت پر عمل کرائے اور امامؑ کی مکمل اطاعت کرائے۔ ذرہ برابر ادھر ادھر نہ ہٹائے۔ (مؤلف)

امام جعفر صادقؑ نے سیدھے راستے پر قائم رہنے کے معنی یہ بتلائے کہ خدایا ہمیں بالکل سیدھا راستہ دکھاتا رہ، یعنی ایسا راستہ دکھادے اور ایسے راستے پر چلادے جو ہمیں تیری محبت اور تیرے دین تک پہنچا سکے۔ (یعنی ہم تیری معرفت حاصل کر کے تجھ سے محبت کرنے لگیں اور پھر تیرے بتائے ہوئے طریقہ زندگی پر عملاً چلنے لگیں) پھر وہ راستہ ایسا ہو کہ جو ہمیں ہماری (بری) خواہشات پر چلنے سے روک دے تا کہ ہم اپنی رائے پر چل کر تباہ و برباد نہ ہو جائیں۔　(تفسیر نور الثقلین)

نوٹ: مطلب یہ ہے کہ خدا کے دین کا حاصل خدا کی معرفت، خدا کی محبت اور اس محبت کی بنا پر خدا کی اطاعت کرنا ہے۔ خدا کی مرضی پر چلنا ہے۔ اپنی بری خواہشات سے جو خدا کی مرضی کے خلاف اکساتی ہیں ان کی مخالفت کرنا ہے۔

خدا کے احکام ہم اپنی رائے سے معلوم نہیں کر سکتے۔ خدا کے احکامات صرف رسولِ خدا اور ان کے حقیقی جانشین بارہ اماموںؑ سے لینے ضروری ہیں۔

؎ عقلِ آوارہ امامت کی سزاوار نہیں　　راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

(اقبالؔ)

اپنی مرضی سے خدا کے احکامات گھڑنا اصل میں خدا کی اطاعت کرنا نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی اطاعت کرنا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں　　ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(اقبالؔ)

حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ (جناب رسولِ خدا) نے فرمایا نحن ابواب اللہ ونحن الصراط المستقیم "ہم اہلِ بیتؑ خدا کے

دروازے ہیں اور ہم ہی صراطِ مستقیم ہیں"۔

(معانی الاخبار۔ تفسیر نور الثقلین)

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "اے علی! جب قیامت کا دن ہوگا تو میں اور جبرائیلؑ صراط کے پل پر بیٹھ جائیں گے۔ صراط سے صرف وہی گزر سکے گا جس کے پاس تمہاری ولایت (محبت اور اطاعت) کا پروانہ ہوگا۔ یعنی وہ کاغذ ہوگا جس پر لکھا ہوگا کہ یہ علیؑ کی محبت و اطاعت کرنے والا ہے۔ (معانی الاخبار۔ بروایت امام محمد باقرؑ)

اللہ نے رسولؐ کو حکم دیا ہے کہ آپؐ کو جو وحی کی گئی ہے آپ اس سے جڑے رہیں۔ بے شک آپ صراطِ مستقیم پر ہیں"۔ (سورہ زخرف ۴۳)

اللہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔ آپ علیؑ کی ولایت (محبت اور اطاعت) کا حکم دینے والے ہیں اور علیؑ ہی صراطِ مستقیم ہیں۔

(بیان امام محمد باقرؑ۔ اصول کافی)

ارشاد باری تعالیٰ: "کیا وہ شخص جو منہ کے بل چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے جو سیدھے راستے یعنی صراطِ مستقیم پر چل رہا ہے"۔

(سورہ ملک ۲۲)

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: اس آیت میں اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو علیؑ کی ولایت (محبت و اطاعت) سے ہٹا ہوا ہے۔ وہ علیؑ سے ہٹنے کی وجہ سے منہ کے بل گرے ہوئے شخص کی مانند ہے جب کہ وہ جو علیؑ کی اطاعت اور عملاً ان کی پیروی کر رہا ہے وہ سیدھا صراطِ مستقیم پر چل رہا ہے۔ کیونکہ صراطِ مستقیم رسولؐ خدا کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ (امام موسیٰ کاظمؑ از اصول کافی)

حضرت علیؑ نے فرمایا: خدا کا انعام پانے والے مال، اولاد اور صحت کی نعمت پانے والے نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ مال اولاد اور صحت بھی خدا کی ظاہری نعمتیں ہیں مگر یہ نعمتیں تو خدا نے کافروں اور بدکاروں کو بھی دے دی ہیں۔ اس لئے تم کو ان کافروں اور بدکاروں کے راستے پر چلنے کی دعا کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ تمہیں یہ دعا مانگنے کا حکم دیا ہے کہ تم ان لوگوں کا راستہ خدا سے مانگو جن کو خدا نے اپنے اوپر ایمان لانے (دل سے سمجھ کر ماننے) کی توفیق دی ہے۔ رسولِ خداؐ کی تصدیق کرنے کی توفیق دی ہے ولایتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ (یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت، سرپرستی اور اطاعت) اور ان کے نیک اصحابؓ کی محبت اور پیروی کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ جن کو خدا نے تقیہ کرنے کا انعام دیا ہے تا کہ وہ خدا کے دشمنوں کے ظلم سے بچ سکیں۔

تقیہ ایمان کا جزو ہے

امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: وہ لوگ توبہ کر کے خدا کے دشمنوں کے گناہوں اور کفر میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ اس لئے تم تقیہ کو قائم رکھنا۔ اپنے مخالفوں سے اچھا سلوک کرنا۔ تقیہ کو چھوڑ کر دوسرے اہلِ ایمان کے لئے تکلیفیں پیدا نہ کرنا اور ساتھ ہی ساتھ اہلِ ایمان بھائیوں کے حقوق جان کر ان کو ادا کرتے رہنا۔

(امام حسن عسکریؑ، کتاب معانی الاخبار، تفسیر نور الثقلین)

نوٹ: جب ظالم کے ہاتھ میں طاقت ہو اور ان سے مقابلے کی طاقت نہ ہو تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ انسان اپنے سچے عقائد کو چھپا لے اور ظالم کے عقائد کا صرف زبانی کلامی اعتراف کر لے۔ اسی لئے قرآن میں خداوند عالم نے فرمایا۔ ''جو مجبور ہو جائے

بغیر اس کے کہ وہ خدا سے بغاوت کرتا ہو یا طغیانی کرتا ہو۔ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے"۔

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "علیؑ کے شیعہ وہ ہیں جن پر خدا تے علیؑ کی ولایت (محبت اطاعت اور سرپرستی) عطا فرما کر ان پر احسان فرمایا ہے۔ ان پر نہ خدا غضبناک ہوا اور نہ وہ بھٹکے۔ (تفسیر نور الثقلین)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "ہم (محمدؐ و آلِ محمدؐ) ہی وہ واضح راستہ ہیں جو خدا کی طرف سیدھے لے جاتا ہے۔ اس لئے ہم ہی صراطِ مستقیم ہیں اور خدا کی مخلوق پر خدا کی (عظیم) نعمت ہیں۔ (کمال الدین وتمام النعمۃ)

خدا کے غصہ کرنے کے معنی

ہمارے غصہ کرنے اور خدا کے غصہ کرنے میں فرق ہے کیونکہ جب ہم غصہ کرتے ہیں تو ہمارے اندر تبدیلی آجاتی ہے۔ ہمارا رنگ بدل جاتا ہے ہمارے جوڑ بند کانپنے لگتے ہیں۔ پھر ہم کسی کو سزا دیتے ہیں۔ عام طور پر غصہ کرنے کے معنی یہی سمجھے جاتے ہیں کیونکہ غصہ دل سے شروع ہوتا ہے اور سزا دینے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے مگر خدا کو غصہ آنے سے مراد دل کی کیفیت نہیں ہے۔ اس طرح خدا کے راضی ہونے کا مطلب بھی اس کے دل کی کوئی کیفیت نہیں ہوتی۔ (امام جعفر صادقؑ از تفسیر نور الثقلین)

(خدا کے انعام سے مراد خدا کی جزا ہے اور خدا کے غصہ سے مراد اس کی سزا ہے)

خدا کے غصے کی زد میں آنے والے ناصبی (آلِ محمدؐ کے دشمن) ہیں۔ اور ضآلین یعنی گمراہ وہ لوگ ہیں جو شکوک میں مبتلا ہیں اور جو حقیقی امامؑ کو نہیں پہچانتے۔

(امام جعفر صادقؑ از تفسیر نور الثقلین)

مطلب یہ ہے کہ اے خدا مجھے محمدؐ وآلِ محمدؐ سے دشمنی رکھنے والے کافروں اور خدا کے احکامات کو حقیر اور معمولی سمجھنے والوں میں قرار نہ دے اور ضالّین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے خدا مجھے ان لوگوں میں شامل نہ فرما جو خدا کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ جن کو حق کی پہچان ہی نہیں ہے اور پھر بھی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہی ٹھیک راستے پر ہیں۔

(امام علی رضا از من لا یحضرہ الفقیہ)

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''جن پر خدا نے غصہ فرمایا ان سے مراد یہودی اور ضالّین یعنی گمراہ سے مراد عیسائی ہیں۔

(تفسیر مجمع البیان)

حضرت علیؑ کو عبدیت کی حد سے بڑھانے والا مغضوب اور ضالّین میں شامل ہے۔ یعنی خدا کے غضب میں ہے اور گمراہ ہے۔

(امام علی رضا از احتجاج طبرسی)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جب امام کے پیچھے نماز پڑھو اور وہ سورہ حمد ختم کرلے تو الحمد للہ ربّ العالمین کہو۔ خبردار آمین نہ کہنا۔　　(الکافی)

خدا کا انعام پانے والوں سے مراد خدا کے حقیقی پائیدار انعام پانے والے ہیں۔ یہ پائیدار انعامات خدا کی اطاعت کرنے سے مل سکتے ہیں۔

رہے خدا کے عارضی وقتی دنیوی انعامات تو وہ عارضی نمائشی ہیں۔ ایسی چیزیں تو خدا فرعونوں نمرودوں قارونوں اور یزیدوں کو بھی دے دیتا ہے۔ یعنی ان کا اصل مقصد صرف امتحان لینا ہوتا ہے نوازنا نہیں ہوتا ہے۔

(تفہیم)

بندے کا سوال اور اللہ کا جواب

اور سورہ حمد کی روحانی تفسیر

حضرت امام علی رضاؑ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ مجھ سے خداوندِ عالم نے فرمایا۔ "میں نے سورہ حمد کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کردیا ہے۔ اس کا آدھا میرے لئے ہے اور آدھا (سورہ) میرے بندے کے لئے ہے۔ اور میرا بندہ جو مجھ سے مانگے گا میں اس کو دوں گا۔

جب میرا بندہ کہتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم "شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے اس کی مدد مانگتے ہوئے جو بے حد مہربان اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے"۔ تو میں (خدا) فرشتوں سے کہتا ہوں "میرے بندے نے میرے نام سے ابتدا کی ہے اس لئے اب مجھ پر لازم ہوگیا ہے کہ میں اس کا کام مکمل کروں اور اس کے کاموں میں برکت قرار دوں"۔

اور جب میرا بندہ کہتا ہے الحمد للہ ربّ العالمین "تمام تعریف اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا مالک ہے"۔ تو میں کہتا ہوں "میرے بندے نے میری تعریف کی ہے کیونکہ وہ جان گیا ہے کہ جو نعمتیں اس کے پاس ہیں وہ صرف میری عطا کی وجہ سے ہیں اور جو جو بلائیں اس سے ہٹادی گئی ہیں وہ میری ہی برکت، مدد اور رحمت کی وجہ سے ہٹائی گئی ہیں۔ اسی لئے اے میرے فرشتو! میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس کی اس تعریف کی وجہ سے میں اس پر اپنی نعمتوں کے اضافے پر اضافے کر دوں گا، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور آخرت کی بلائیں تو خاص طور پر اس

سے دور کر دوں گا"۔

پھر جب بندہ مجھ سے یہ کہتا ہے الرحمٰن الرحیم "سب پر بے حد مہربان بڑا ہی رحم کرنے والا"۔ تو خداوند عالم فرشتوں سے فرماتا ہے "میرے بندے میرے لئے گواہی دے رہے ہیں کہ میں سب پر بے حد مہربان اور زبردست رحم کرنے والا ہوں"۔ اے فرشتو! میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں یقیناً اپنی رحمت میں ان کا حصہ بڑھاتا چلا جاؤں گا اور آخرکار میں اپنی نعمتوں میں ان کا حصہ بہت زیادہ کر دوں گا"۔

اور جب میرا بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین یعنی بدلے کے دن کا مالک۔ تو خدائے بلند و اعلیٰ فرماتا ہے۔ "اے فرشتو! میں تم سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرے بندے نے مان لیا ہے کہ میں ہی بدلے کے دن کا مالک (تمام فیصلے کرنے والا) ہوں اس لئے یقیناً میں اس کا حساب آسان کر دوں گا اور قیامت کے دن اس کے (ناقص) اعمال کو قبول کرلوں گا اور اس کے گناہوں کو نظر انداز کر دوں گا"۔

اور جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد یعنی ہم صرف تیری غلامی میں ہیں تو خداوند عالم فرماتا ہے "میرے بندے نے سچ کہا کہ وہ صرف میری غلامی کرتا ہے، تو اے فرشتو! تم سب گواہ رہنا کہ میں یقیناً اس کو ایسا اجر دوں گا کہ اس کے دشمن اس سے جل بھن جائیں گے۔"

اور جب وہ کہتا ہے ایاک نستعین یعنی ہم صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں تو خداوند عالم فرماتا ہے "میرا بندہ صرف مجھ سے مدد مانگ رہا ہے اور صرف مجھ سے پناہ مانگ رہا ہے، تو اے فرشتو! گواہ رہنا کہ میں اس کے معاملات میں ضرور ضرور اس کی مدد کروں گا اور اس کی مشکلات میں اس کے کام آؤں گا اور اس کو اس کی مصیبتوں،

الجھنوں اور پریشانیوں سے ضرور محفوظ رکھوں گا"۔

اور جب وہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم مجھے سیدھا راستہ دکھا تا رہ۔ تو خداوند عالم فرماتا ہے" یہ حصہ میرے بندے کا ہے۔ اب یہاں اس کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہے مجھ سے مانگ لے۔ اب میں اپنے بندے کی دعائیں قبول کروں گا اور اس کو ہر وہ چیز دوں گا جس کی وہ مجھ سے امید رکھے گا اور ہر اس چیز سے اسے محفوظ رکھوں گا جس سے وہ ڈرتا ہوگا"۔ (عیون اخبار الرضا، تفسیر المیزان)

غرض صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ کسی سڑک کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اپنے آپ کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو خدا کے پیارے بندے ہیں جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے۔ ان کی محبت، معرفت اور عملاً پیروی کرنے کو صراط مستقیم پر چلنا کہتے ہیں۔ ان کے طریقہ زندگی پر عملاً چلنا سیدھے راستے پر چلنا ہے۔ قرآن کی رُو سے وہ خدا کے انعام یافتہ بندے (۱) نبیینؑ ہیں (۲) صدیقینؑ ہیں (۳) شہدا (۴) اور صالحین ہیں۔

انعام پانے والے بندے کون ہیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ان لوگوں کا تعارف اس طرح فرمایا کہ" میں تم میں دو بے حد قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں (۱) اللہ کی کتاب (۲) میرے اولاد اہلِ بیتؑ ۔ جب تک تم ان دونوں سے اپنا تعلق مضبوطی سے جوڑے رکھو گے، تم کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ یہ دونوں بھی ایک دوسرے سے ہرگز الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہ پہنچ جائیں۔

(صحیح مسلم شریف)

بعض مفسرین نے لکھا کہ صراطِ مستقیم سے مراد قرآن ہے۔ اگر قرآن مراد ہے تو قرآن کی تعلیمات پر چلنا صراطِ مستقیم پر چلنا ہے۔ مگر قرآن کے مطلب بتانے والے اور قرآن کی عملی ترجمانی کرنے والے محمد مصطفیؐ اور ان کے وارث ائمہ اہلِ بیتؑ ہیں۔ اس لئے قرآن اور محمدؐ و آلِ محمد کی پیروی کرنا صراطِ مستقیم پر چلنا ہے اور یہی لوگ سب سے افضل صاحبانِ نعمت ہیں۔

(بیان آیت اللہ آقائے مرزا احمدی پویاؒ۔)

اہلِ بیتؑ پاک کے ہر سانس کو اے مدعی
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

(جوشؔ)

رمزِ قرآن از حسینؑ آموختیم

(اقبالؔ)

حقاً کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

(معین الدین چشتیؒ)

غرض نعمت اور انعامِ الٰہی سے اصل مراد مال اولاد، زر، زمین، اور زن نہیں ہیں کیونکہ یہ عارضی وقتی نمائشی غیر حقیقی ظاہری نعمتیں ہیں جو صرف ہمارا امتحان لینے کے لئے ہمیں کچھ دن کے لئے دی گئی ہیں تاکہ خدا ہمیں آزمائے کہ ہم ان نعمتوں کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں؟ یا اس کی مرضی اور ہدایت کے خلاف استعمال کرتے ہیں؟ اصلی انعام اس کی ہدایت یعنی خدا کی اطاعت و توفیق ہے جو صرف ان کو ملتی ہے جو خدا سے یہ توفیق دل سے مانگتے رہتے ہیں اور اس کے لئے عملاً خدا کی

اطاعت کی کوششیں بھی کرتے رہتے ہیں۔

یہی صاحبانِ نعمت بندے ہیں جو سابقین میں ابراہیمؑ و آلِ ابراہیمؑ ہیں اور آخرین ہیں محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ یہی خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ (رابطہ) ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سورہ حمد میں جو پورے قرآن کا خلاصہ ہے، خدا اپنے ان خاص بندوں کا ذکر نہ فرماتا۔ اسی لئے مرشد تھانوی نے لکھا ہے "صراطِ مستقیم میسّر نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ پیروی اہلِ صراطِ مستقیم کی کی جائے۔ کیونکہ اس کے لئے محض اوراقِ کتب کافی نہیں"۔ (تفسیر ماجدی)

ان صاحبانِ نعمت یا انعام پانے والے بندوں کی عظمت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ نماز اس وقت تک مکمل اور قبول نہیں ہوتی جب تک ان انعام پانے والے بندوں پر درود نہ پڑھا جائے۔ اَللّٰھُم صلِّ علیٰ مُحمدٍ وَ آلِ مُحمدٍ۔

جنابِ رسولِؐ خدا نے ان اہلِ صراطِ مستقیم اور صاحبانِ نعمت کا تعارف اس طرح کرایا: "میرے اہلِ بیتؑ کی مثال نوحؑ کی کشتی کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس کشتی سے منہ موڑا وہ غرق ہوا، برباد ہوا"۔

(الحدیث از تفسیر کبیر امام رازی)

یاد رہے کشتیٔ نوحؑ واحد ذریعہ نجات تھی۔ اس کے بغیر نجات کسی کو نہ مل سکی۔ اس لئے آج بھی نجات کا واحد دارومدار اہلِ بیتِ رسولؐ کی محبت، اطاعت اور عملاً پیروی کرنے پر ہے۔

نیز جنگِ خیبر کے موقع پر جنابِ رسولِؐ خدا نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہ بھی فرمایا: "کل میں اس کو علم دوں گا جو مَرد ہوگا، جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا

ہوگا اور خدا اور رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ (بخاری شریف)

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "حسنؑ و حسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں"۔

(بخاری شریف)

صاحبان نعمت محمدؐ و آلِ محمدؐ

معلوم ہوا کہ اولین معنی میں صاحبانِ نعمت محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ اسی لئے ہر مسلمان سورہ حمد سے نماز شروع کرتا ہے جس میں وہ صاحبانِ نعمت کے راستے کو دکھانے کی خدا سے درخواست کرتا ہے اور خدا کے حکم پر نماز کو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود پڑھ کر ختم کرتا ہے۔ گویا آخر میں خدا نے درود پڑھوا کر اس کو بتا دیا کہ وہ صاحبانِ نعمت جن سے مل جانا ہی اصل کامیابی ہے، پچھلوں (سابقین) میں ابراہیمؑ و آلِ ابراہیمؑ تھے۔ اور اس امت میں محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ اسی لئے ہر نماز کے آخر میں ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ کے ساتھ ساتھ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود پڑھنا ضروری ہے۔ (آیت اللہ مرزا مھدی پویاؒ)

عربی زبان میں کسی کھڑے ہوئے انسان کو "قم" کہنے کے معنی ہیں "کھڑے رہو"۔ کھاتے ہوئے آدمیوں سے "کلوا" کہنے کے معنی ہیں "کھاتے رہو"۔ اسی طرح ہدایت یافتہ آدمیوں کا خدا سے یہ دعا کرنا "اھدنا" ۔ "ہمیں ہدایت فرما"۔ کے معنی ہیں "ہمیں ہدایت فرماتا رہ"۔ اسی لئے حضرت علیؑ نے فرمایا "اھدنا الصراط المستقیم" کے معنی ہیں "اے خدا ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ"۔ (تفسیر برہان)

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایمان ہے۔

(مرزا غالبؔ)

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: ''ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ'' کے معنی ہیں (۱) اے خدا! ہمیں اپنے دین کا راستہ دکھاتا رہ۔ (۲) ہمیں اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ عطا فرماتا رہ۔ یعنی ہمیں اپنے زمانے کے امامؑ تک پہنچا دے۔ (۳) اس طرح ہمیں اپنی ذات اور اپنی بڑائی کی معرفت (پہچان) میں ترقی عطا فرماتا رہ۔

(تفسیر برہان جلد اوّل)

حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: ''ہمیں سیدھا راستہ دکھاتا رہ۔'' **اھدنا الصراط المستقیم** کے معنی یہ ہیں کہ ''اے خدا! اپنی اس توفیق کو آئندہ بھی میرے ساتھ باقی رکھ جس کی وجہ سے میں نے آج تک تیری اطاعت کی ہے''۔ (تفسیر انوار النجف)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ''صراط مستقیم'' یعنی سیدھا راستہ وہ راستہ ہے جو (۱) خدا کی محبت تک لے جانے والا ہو۔ (۲) پھر خدا کی جنت تک پہنچانے والا ہو۔ (۳) جو ہمیں ہر اس بات سے روک دے کہ ہم اپنی بُری خواہشوں کے پیچھے چل کر خدا کے عذاب کی مشقتوں میں گرفتار ہو جائیں یا اپنی رائے پر چل کر گمراہ اور ہلاک ہو جائیں''۔ (تفسیر نور الثقلین)

نعیم کا مطلب

حضرت امام جعفر صادقؑ نے امام ابوحنیفہؒ سے اس آیت کا مطلب ان کا امتحان لینے کے لئے پوچھا کہ خدا فرماتا ہے **ولتسئلنّ یومئذ عن النعیم** ''ہم ضرور تم سے ''نعیم'' (نعمت) کے بارے میں سوال کریں گے''۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''اس نعیم سے مراد گرم روٹی اور ٹھنڈا پانی ہیں۔''

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''کیا خدا کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ روٹی پانی ہمیں کھلا کر اس کا ہم سے سوال کرے؟ کیا کسی کریم سخی عظیم ذات کے لئے یہ بات مناسب ہے؟ کہ کسی کو کھانا کھلا کر ان کا حساب مانگے؟ پھر اگر ہر روٹی ہر پانی کا خدا حساب کرے تو وہ حساب کس قدر طویل ہو جائے گا؟

امام ابو حنیفہؒ نے شرما کر پوچھا: ''پھر نعیم سے کیا مراد ہے؟''

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''نعیم سے مراد ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت، معرفت اور عملی اطاعت ہے۔ اسی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' کیونکہ یہی اصل نعمت ہے، جس کی وجہ سے ابدی نعمتیں اور خدا کا قرب اور رضامندی حاصل ہو سکتی ہے۔

جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ ''وہ جو مرا آلِ محمدؐ کی محبت میں وہ شہید مرا۔ جو مرا آلِ محمدؐ کی محبت میں اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ جو مرا آلِ محمدؐ کی محبت میں اس کو اس طرح سجا کر جنت لے جایا جائے گا جیسے دلہن کو سجا کر اس کے گھر لے جایا جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر امام رازی، تفسیر کشاف)

اب خدا والوں کی عملاً اطاعت اور پیروی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم ان کو پہچانیں اور پھر ان سے اپنی محبت پیدا کریں تا کہ اس محبت کی وجہ سے ہم ان کی عملاً پیروی کر سکیں۔ اس لئے خداوندِ عالم نے محمدؐ و آلِ محمد کی محبت کو فرض قرار دیا تا کہ یہ محبت ایسی قوتِ متحرکہ بن جائے جو ہمیں محمدؐ و آلِ محمد کی عملاً پیروی کرنے کی قوتِ جوشِ عمل فراہم کر سکے۔

حقیقی نعمت اور صاحبانِ نعمت کون ہیں؟

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: ''نعمت سے مراد زر، زمین، زن، مال، اولاد، عزت، منصب اور عہدہ نہیں ہے بلکہ نعمت سے اصل مراد خدا کی توفیق (صلاحیت) ہے جس کی وجہ سے انسان خدا کی عملاً اطاعت کرنے والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ (از معانی الاخبار)

قرآن کی رو سے صاحبانِ نعمت چار (۴) قسم کے لوگ ہیں۔ خداوند عالم نے فرمایا: "ومن یطع الله و الرسول فاولآئک مع الذین انعم الله علیهم من النبیّین و الصدیقین والشهداء والصالحین و حسن اولآئک رفیقاً اور جو اطاعت کریں اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی تو یہ (لوگ ہمیشہ ہمیشہ) ان کے ساتھ رہیں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔ (۱) جو نبیین (انبیائے کرامؑ) ہیں۔ (۲) صدّیقین (قول وعمل کے سچے) (۳) شہداء (۴) اور صالحین ہیں اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں''۔ (سورۂ نساء۔ آیت ۶۹)

پھر ہدایت صرف ان صاحبانِ نعمت تک پہنچنے کا ہی نام نہیں ہے کیونکہ بعد میں فرمایا غیر المغضوبِ علیهم ولا الضآلین یعنی اثباتی پہلو کے ساتھ ساتھ سلبی پہلو بھی ضروری شے ہے۔ یعنی صاحبانِ نعمت کے طریقہ زندگی پر چلنا بھی ضروری ہے اور ان لوگوں سے دوری اور بیزاری اختیار کرنا بھی ضروری ہے جو اپنے بُرے عقیدوں اور کاموں کی وجہ سے خدا کے غیض وغضب کا شکار ہوئے اور غلط راستوں پر چل پڑے۔

غرض صاحبانِ نعمت لوگوں سے تعلق جوڑے رکھنے کو تولّا کہتے ہیں۔ اور اللہ کے مغضوب اور گمراہ لوگوں سے تعلق توڑے رکھنے کو تبرّا کہتے ہیں۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

(اقبال)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: **مغضوب علیھم** یعنی جن پر خدا غضب ناک ہوا۔ "اولین مراد اہلِ بیتِ رسولؐ سے دشمنی کا اظہار کرنے والے لوگ ہیں اور ضآلین یعنی گمراہوں سے اوّلین مراد وہ لوگ ہیں جو شکوک و شبہات میں جتلا رہتے ہیں اور حقیقی امامؑ کو نہیں پہچانتے"۔ (تفسیر علی ابنِ ابراہیم)

دوسری روایت کے اعتبار سے (اولین معنی میں) **مغضوب علیھم** خدا کے غیض و غضب کا شکار یہودی ہیں اور ضآلین یعنی گمراہ سے مراد نصرانی ہیں۔

(تفسیر کبیر امام رازیؒ)

صاحبانِ نعمت کے درجات

صاحبانِ نعمت میں سب سے افضل انبیا کرامؑ ہیں اور انبیاءِ کرامؑ میں سب سے افضل حضرت ختمی مرتبتؐ جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ صدّیقین سے مراد "قول اور عمل" کے سچے، صاف اور کھرے لوگ ہیں جو ہر کام خدا کو خوش کرنے کے لئے سچائی، ایمانداری اور خلوصِ دل سے انجام دیتے ہیں۔

ان سب کے سیّد و سردار حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے سب

سے پہلے رسولِؐ خدا پر ایمان لانے کا اعلان فرمایا۔ اسی لئے رسولِ خداؐ نے دعوتِ ذوالعشیرہ کے موقع پر ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور انہوں نے کبھی غیرِ خدا کی عبادت نہیں کی۔ پوری زندگی سچائی اور پورے خلوص کے ساتھ خدا کی اطاعت فرمائی۔ اسی لئے جنابِ رسولِؐ خدا نے فرمایا: ''اے علیؑ! تمھاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارونؑ کی منزلت موسیٰؑ کے پاس تھی۔ سوا اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

(الحدیث از صحیح بخاری)

سب کا اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں سب سے بڑا مرتبہ ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو حاصل تھا۔ اسی طرح رسولِؐ خدا کے بعد سب سے بڑا مرتبہ اور فضیلت آپؐ کے بعد حضرت علیؑ کو حاصل ہے۔ اسی لئے حضرت رسولِؐ خدا نے حضرت علیؑ کو ''صدیقِ اکبر'' کا اور ''فاروقِ اعظم'' کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

عمومی معنی میں صدیق ہر وہ شخص ہے جو ''قول و عمل'' کا سچا ہو۔ جنابِ رسولِؐ خدا نے فرمایا: ''بندہ سچ بولتا رہتا ہے، سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ خدا اس کو صدیقین میں لکھ دیتا ہے۔'' (الحدیث)

جنابِ رسولِؐ خدا نے فرمایا: ''التاجر الصدوق الامین مع الانبیاء والشهداء والصدیقین یعنی ایسا تاجر جو ہمیشہ سچ بولتا ہے وہ انبیا، شہدا اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔'' (الحدیث)

صدیقین کے بعد شہداء بھی صاحبانِ نعمت میں شامل ہیں۔ شہداء وہ لوگ ہیں جو دل سے سمجھ کر اصولِ دین کی گواہی دیتے ہیں۔ اس لئے اوّلین معنی میں شہداء علمائے دین ہیں۔ پھر وہ لوگ ہیں جو اپنے اس عقیدے کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں

برداشت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس کے لئے اپنی جان تک خدا کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو محمدؐ وآلِ محمدؐ کو پہچان کر ان سے دلی محبت کرتے ہیں اور عملاً ان کی پیروی کرتے ہیں۔ کیونکہ جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ: الا من مات علی حبّ آلِ محمّد مات شہیداً یعنی خبردار! جو آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا، وہ شہید مرا۔ (الحدیث از تفسیرِ کبیر امام رازی)

اور صالحین سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ان کے بُرے اعمال پر غالب ہوں۔ جیسا کہ قرآن میں خداوندِ عالم نے فرمایا: ''جس کے نیک اعمال (اس کے بُرے اعمال پر) بھاری ہوں گے، وہ اس زندگی میں ہوگا جس سے وہ خوش ہوگا۔''

شہداء میں سب سے افضل حضرت حمزہؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ ہیں کیونکہ جنابِ رسولؐ خدا نے حضرت حمزہؑ کو سیّد الشہداء فرمایا اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے لئے فرمایا: ''الحسن و الحسین سیّدا شبابِ اھلِ الجنّة یعنی حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔''

(از صحیح البخاری)

تمام امتِ محمدی میں صالحین میں سب سے افضل ائمہ اہلِ بیتؑ ہیں کیونکہ خدا نے قرآن میں آیہ تطہیر کے ذریعے ان کی پاکیزگی اور پاکیزہ کردار کی گواہی دی ہے۔

(آیہ تطہیر)

جنابِ رسولؐ خدا نے ان کو اپنی امت کا امامؑ فرمایا ہے۔ اسی لئے صاحبِ تحفہ اثنا عشری، شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے لکھا ہے امام کے معنی سب سے آگے ہونے کے ہیں۔ اس معنی میں بے شک آلِ محمدؐ ہی ساری امت کے امام ہیں کیونکہ وہ

اپنے علم، نیکی اور ہر فضیلت میں ساری امت میں سب سے آگے ہیں۔

(تحفہ اثنا عشریہ)

جابر بن سمرۃ کا بیان ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو فرماتے سنا: "مسلسل یہ امر (دین) میرے بارہ ۱۲ خلفاء تک ختم نہ ہوگا۔ بلکہ مضبوط رہے گا۔" پھر آپؐ نے کچھ فرمایا جو لوگوں نے مجھے سننے نہ دیا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ حضورؐ نے کیا فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ فرمایا تھا: "وہ سب قریش سے ہوں گے۔"

(صحیح مسلم جلد ۶۔ ص ۴ طبع مصر، سند احمد ابنِ حنبل جلد ۵۔ ص ۹۲۔ طبع مصر، صواعق محرقہ ابنِ حجر مکی باب اوّل فصل ۳، تاریخ الخلفاء حافظ سیوطی۔ ص ۷۔ طبع لاہور، صحیح بخاری جلد نہم (۹) ص ۸۱۔ طبع قاہرہ)

امامانِ حقیقت کی مثالیں دوں تو کس سے دوں؟
کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں مثالیں بے مثالوں کی؟

(نواب صاحب رام پور)

سورۂ فاتحہ کی تعلیمات و نتائج

۱۔ سورہ فاتحہ سے ہمیں یہ تعلیم ملی ہے کہ ہمارا اور ساری کائنات، تمام مخلوقات اور ہمارا خالق و مالک اللہ رب الکریم ہے۔ وہی ہمارا اصل مددگار ہے۔ اس لئے ہر کام اس کی مدد مانگتے ہوئے شروع کرنا چاہئے اور صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہئے، کیونکہ وہی خدا ہر چیز پر قادر بھی ہے اور بے حد مہربان بھی ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی ساری

توقعات اور ساری امیدیں صرف اور صرف اسی کی ذات سے وابستہ کرنی چاہئے۔

۲۔ساری کائنات میں سب سے بڑی طاقت اور قوت خدا کی ہے۔

۳۔خدا ہم پر بے حد مہربان اور مسلسل رحم کرنے والا ہے۔

۴۔خدا ہی ہمارے تمام اعمال کا بدلہ عطا فرمائے گا۔کیونکہ وہ سو فیصد انصاف کرنے والا بھی ہے،اور بدلہ دینے پر پوری طرح قادر بھی ہے۔

۵۔تمام تعریفیں اور خوبیاں خدا کے لئے ہیں کیونکہ وہی ہر خوبی کمال اور جمال کا خالق اور مالک ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔

۶۔خدا ساری کائنات عالم کا رب،مالک اور ترقی دینے والا ہے۔

(از تفسیر میر احمد علی و حضرت آقا پویاؒ)

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: کہ اللہ کی رحمت سے دوری کا اصل سبب انسان کی دو خرابیاں ہیں (۱) شہوت یعنی بُری خواہشات جس کی وجہ سے وہ کنجوسی بھی کرتا ہے اور طمع بھی (۲) دوسری خرابی غیض و غضب ہے،جس کی وجہ سے وہ تکبر،خود پسندی اور دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔

جب انسان بسم اللہ کو سمجھ کر پڑھتا ہے تو وہ اللہ کے نام سے مدد مانگتا ہے۔اللہ کی مدد ملنے پر انسان اپنی بُری خواہشوں پر قابو پالیتا ہے۔خدا کی بڑائی اور مہربانیاں دیکھ کر اس کی حرص و ہوس میں کمی آتی ہے۔خدا کی رحمانیت و رحیمیت کو سمجھنے کے بعد اس کا غیض و غضب ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔اس طرح اس کی تمام روحانی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔

(از تفسیر انوار النجف)

اللہ کی مدد مانگتے ہوئے کام شروع کرنے سے انسان کے اندر اللہ پر توکل کرنے کی صفت پیدا ہوتی ہے جو اسے بے پناہ قوت عطا کرتی ہے۔ پھر انسان بڑی سے بڑی مشکلات کے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا
غلامی میں نہ کام آتی ہیں نہ تقدیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

(اقبالؔ)

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: کہ معراج کے موقع پر خدا نے فرمایا: ''مجھے اپنے تمام بندوں میں سے سب سے زیادہ وہ بندہ پسند ہے جو مجھ پر بھروسا کرتا ہے۔

(از حدیث معراج)

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: ''خدا نے کسی کو یقین (توکل) سے بڑی کوئی نعمت نہیں عطا فرمائی۔ (تحفۃ العقول)

توکل کے معنی ہیں کہ انسان خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔

(حضرت امام علی رضاؑ: از تحفۃ العقول)

نوٹ: توکل کے معنی بے عملی اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا نہیں ہے۔ توکل کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنی سی تمام کوشش اور جدو جہد جاری رکھتے ہوئے اللہ کی ذات پر بھروسا کرے اور نتائج کو اللہ کے سپرد کردے۔

سورۂ فاتحہ کے موضوعات وتعلیمات

(بیان آقائے مرزا مہدی پویاؒ)

۱) سورہ حمد میں سب سے پہلے خدا پر توکل اور بھروسا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، اسی لئے سب سے پہلے بسم اللہ میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ہر کام خدا کے نام سے شروع کرو اور خدا سے مدد طلب کرو۔ خدا ہی کی مدد کے سہارے ہر کام کرو۔ یعنی ہر معاملے میں خدا پر بھروسا کرو۔

۲) خدا کو رحمان و رحیم کہہ کر خدا سے محبت کرنے کے جذبات کو ابھارا گیا ہے کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ ہر فائدہ وفیض خدا ہی سے مل سکتا ہے، تو وہ خدا کی طرف پوری توجہ بھی کرے گا اور اسی سے محبت بھی کرے گا اور یہی چیز دین کی بنیاد ہے۔ قرآن کے مطابق مومن وہی ہے جو خدا سے سب سے زیادہ محبت کرے۔

۳) رحمان و رحیم خدا کا اقرار خود انسان کے اندر بھی دوسرے کے لئے رحم کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اس طرح انسان کو خدا کا ہم صفات بناتا ہے۔ انسان دوسروں پر رحم کر کے خدا کا ہم صفت ہو کر قرب الٰہی کا مستحق بن جاتا ہے۔

۴) پھر جب وہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو جان لیتا ہے کہ تمام تعریفیں تمام نعمتیں اور تمام عطائیں اللہ سے ملتی ہیں اور وہی تمام جہانوں کا پالنے والا مالک ہے۔ اس لئے وہی ذات اس لائق ہے کہ اس کی غلامی اور اطاعت میں پوری زندگی بسر کی جائے۔

۵) مالک یوم الدین کہنے سے انسان کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے

کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ اس کو اپنے ہر ہر عمل کا حساب دینا ہے۔ اس طرح وہ خدا کی حاکمیت اور عدل کو محسوس کر کے ہر برائی سے بچنا چاہتا ہے۔ اسی لئے خداوند عالم نے فرمایا کہ: "نماز ہر برائی سے روکتی ہے۔" (القرآن)

۶) ایاک نعبد کہہ کر ہم اپنی زندگی کے مقصد کو یاد کرتے ہیں کہ ہماری زندگی کا واحد مقصد خداوند عالم کی غلامی اور اطاعت کرنا ہے۔ اسی پر ہماری کامیابی کا دارومدار ہے۔ کیونکہ یہی مقصدِ حیات ہے"۔ خداوند عالم نے فرمایا کہ، ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے تمام جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی غلامی (اطاعت) کے لئے پیدا کیا ہے۔ (القرآن)

نوٹ: عبادت کا مطلب صرف نماز پڑھنا' روزے رکھنا اور لمبے لمبے چلّے کاٹنا نہیں۔ اس کا مطلب زندگی کی ہر لمحے اور موقع پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق عمل کرنا ہے۔

۷) ایاک نستعین ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں کہہ کر ہم تمام غیر اللہ کے سہاروں کی نفی کرتے ہیں اور صرف ایک خدا سے مدد طلب کر کے ہر ماسوا اللہ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ پھر ہمارا آسرا صرف اور صرف خدا اور اس کی لامحدود طاقت ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہم خدا پر بھروسا کر کے اپنے اندر بے پناہ قوت حاصل کر لیتے ہیں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا　　نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
(اقبالؒ)

۸) اھدنا الصراط المستقیم کہہ کر ہم خدا سے ہدایت طلب کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں خدا کی نیک توفیقات ہمارا ہاتھ تھام لیتی ہیں اور ہم نیکوں کے راستے پر

آگے سے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔خدا کی توفیقات کے نتیجے میں ہم خدا کے رسولؐ اور خدا کے مقرر کیے ہوئے امامؑ کو پہچان کر ان کے نقشِ قدم پر عملاً چلتے ہیں اور بالآخر صاحبانِ نعمت کے ساتھی بن جاتے ہیں جو ہماری معراج ہے۔

تیری معراج کہ تو لوح وقلم تک پہنچا میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

۹۔غیر المغضوب علیھم پڑھ کر ہم ہر ظالم جابر گمراہ فرد یا قوم پر تبرا کرتے ہیں۔ان سے اپنی بیزاری اور علیحدگی کا اعلان کرتے ہیں۔ظلم اور برائی کے خلاف جہاد کا علم بلند کرتے ہیں۔ہر برائی سے نفرت کرتے ہیں۔ہر اس کام سے بھی نفرت کرتے ہیں جو خدا کو ناراض کرتا ہے۔ہر برائی کے خلاف جہاد کرتے ہیں چاہے وہ جہاد زبان سے ہو،قلم سے ہو یا تلوار سے ہو۔ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ظالم سے جنگ اور مظلوم کی حمایت کرتے ہیں۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

(اقبالؔ)

نوٹ: تبرّا کا مطلب کسی شخص یا قوم کے خلاف بدکلامی نہیں ہے بلکہ تبرّا کا مطلب بُرلوگوں،دین کے دشمنوں سے براٗت کا اظہار کرنا ہے۔

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا:''ہر بلندی پر ایک بلند درجہ ہوتا ہے،مگر شہادت سے بلند مرتبہ کوئی نہیں۔''

حضرت علیؑ نے فرمایا:''جب یہ بات طے ہے کہ جان آخر جانی ہی ہے تو پھر یہ جان خدا کی راہ میں کیوں نہ دی جائے تا کہ اس کے بدلے خلعتِ شہادت مل جائے''۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”جہاد اور شہادت اسلام کی سب سے بلند چوٹی ہے۔“ (تفسیر انوار النجف)

۱۰۔ سورہ حمد میں جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ ایاک نعبد ہم تیری غلامی کرتے ہیں۔ ایاک نستعین ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اھدنا ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا رہ۔ میں کی بجائے ہم کہہ کر دعا کرنا ہمیں سکھاتا ہے تاکہ ہم صرف اپنے لئے نہ سوچیں بلکہ پوری ملتِ مسلمہ کے خیر خواہ اور محبت کرنے والے بنیں۔ خود کو جماعت کا ایک فرد سمجھیں اکیلا نہ سمجھیں۔ ہر قسم کی خود غرضی، انفرادیت، علیحدگی، گوشہ نشینی کو بالکل چھوڑ دیں۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

(اقبال)

اس طرح ہمیں دوسروں کی دعائیں ملیں گی اور خدا کی مخلوق سے محبت کرنے کی وجہ سے ہم خالق کے محبوب بھی قرار پائیں گے۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: ”کچھ لوگ قیامت کے دن بلا حساب کتاب بخشے جائیں گے کیونکہ وہ مسلمانوں کے خیر خواہ تھے“۔ یعنی مسلمانوں کی بھلائی دل سے چاہتے تھے اور اس کے لئے عملاً کوشاں تھے۔

(کنز العمال)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ”ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب مسلمان اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے اور مزاح یا بغیر مزاح کے خدا سے ڈرے“۔

۱۱۔ سورہ فاتحہ میں توحیدِ عبادت اور توحیدِ افعال دونوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ توحیدِ

عبادت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی چیز یا کسی شخص کو عبادت کے لائق نہ سمجھا جائے، صرف خدا کے قوانین اور احکامات کی اطاعت کی جائے اور سب جھوٹے خداؤں کی یکسر نفی کر دی جائے اور توحید افعال یہ ہے کہ صرف خدا کو مؤثر حقیقی سمجھا جائے۔ یعنی لامؤثر الا اللہ۔ مراد یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود اثر نہیں رکھتا۔ یعنی اسباب میں جو اثر ہے وہ خدا کا دیا ہوا ہے اور خدا کے حکم کے تابع ہے۔ خدا ہی نے آگ کو حرارت اور پانی کو پیاس بجھانے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے

اس عقیدے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان صرف اور صرف خدا کی عبادت کرے گا اور صرف اور صرف خدا پر بھروسہ کرے گا۔ صرف خدا کی قدرت اور عظمت کو سامنے رکھے گا اور صرف خدا سے مدد مانگے گا اور غیر خدا کی خدائی ماننے سے انکار کرے گا، کیونکہ خدا کا غیر، غیر مؤثر فانی، زوال پذیر ہے۔ اس لئے غیر خدا سے توقعات باندھنا عقل دشمنی ہے۔

۱۲۔ اھدنا الصراط المستقیم (ہمیں سیدھا راستہ دکھاتا رہ) کہتے رہنے سے معلوم ہوا کہ ہدایت اور قرب الٰہی کے کئی مراتب ہیں۔ تمام افراد ان مدارج کو طے کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ بلند درجات پر ہیں اور کچھ کم درجات پر ہیں۔ اس لئے ہردم یہ دعا اور کوشش ہونی چاہئے کہ ہمیں خدا ہدایت کے بلند درجات طے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سب سے بلند درجات انبیا کرام، صدیقین مراد ائمہ اہلِ بیتؑ اور علما حق کو حاصل ہیں۔ اس کے بعد شہداء اور صالحین کے مراتب ہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ راہِ ہدایت میں ہمیں ہر لحہ لغزش، گمراہی اور گناہ کا

خوف ہے۔اس لئے ہم بار بار خدا سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ۔ (تفسیر انوار النجف)

رسول اللہؐ اور ان کے اہل بیتؑ کی پیروی

ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا اور ائمہ اہلِ بیتؑ ہمیں اسلام، قرآن، شریعت، اصولِ دین اور فروغِ دین، خدا اور رسولؐ کی عملاً اطاعت کی تعلیم دیتے ہیں۔اس لئے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی عملاً اطاعت کرنا اور پیروی کرنا ہی صراطِ مستقیم پر چلنا ہے کیونکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ تمام انبیاء کرامؑ کے اور قرآن مجید کے حقیقی وارث اور ترجمان ہیں۔

(تفسیر میر احمد علی و سرکار آقا مھدی پویاؒ)

اہل بیت پاک کے ہر سانس کو اے مدعی
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے عقائد و اعمال جس قدر محمدؐ و آلِ محمدؐ کے عقائد و اعمال کے مطابق ہوں گے اسی قدر ہم خدا کی اطاعت کر رہے ہوں گے اور جس قدر ہم خدا کی اطاعت کر رہے ہوں گے اسی قدر ہم صراطِ مستقیم پر چل رہے ہوں گے اور جس قدر ہمارے عقائد و اعمال محمدؐ و آلِ محمدؐ کے عقائد و اعمال سے منحرف اور جدا ہوں گے اسی قدر ہم خدا کی نافرمانی کر رہے ہوں گے اور اسی قدر ہم صراط مستقیم سے دور، خدا کے غیض و غضب کا شکار ہوں گے اور گمراہ ہوں گے۔اسی لئے حضرت ابراہیمؑ نے خود فرمایا تھا فمن اتبعنی فھدی یعنی جو میری پیروی کرے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا۔ (القرآن)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو ہماری پیروی کرے گا وہ ہمارے

ساتھ ہو گا۔ (الحدیث از اصول کافی)

اس لئے ہمیں انبیا کرام اور محمدؐ و آلِ محمدؑ کی سیرت کو جاننا ضروری ہے۔ ان کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ ان سے قلبی تعلق پیدا کرنا ضروری ہے تاکہ ہم ان کی عظمت کو پہچان کر ان سے محبت کر سکیں۔ اور وہ محبت ایسی سچی محبت ہو کہ ہم بالآخر عملاً ان کی پیروی کرنے لگیں۔

اس لئے خداوند عالم نے محمدؐ و آلِ محمدؑ کی محبت کو واجب کیا ہے کیونکہ یہی لوگ صاحبانِ نعمت میں سب سے افضل ہیں۔ اس لئے قرآن میں فرمایا قل لا اسئلکم علیه اجراً اِلا المودة فی القربی (اے رسولؐ) فرمادیں کہ میں تم سے اپنی اجرت کا کوئی سوال نہیں کرتا سوا اس کے کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔ جو اس حسنہ (نیکی) کو کمائے گا ہم خود اس کی نیکیوں میں اضافہ کریں گے کیونکہ خدا بے حد معاف کرنے والا اور بڑی قدر کرنے والا ہے۔ (سورہ شوریٰ)

جب جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے پوچھا گیا کہ آپ کے قرابتدار کون ہیں جن کی محبت کا حکم دیا گیا ہے؟

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''وہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ ہیں''۔

(تفسیر کبیر امام رازی)

خدا نے ان کی محبت اس لئے واجب کی کہ محمدؐ و آلِ محمدؑ ہی صاحبانِ نعمت ہیں، سب سے افضل افراد ہیں۔ جو واقعتاً ان سے محبت کرے گا اور ان کی عملاً پیروی بھی کرے گا تو یہی محبت ان کی عملاً پیروی کرنے کو آسان اور لذیذ بنا دے گی۔ یہی محبت ان کو ان کی اطاعت کی طرف لے جائے گی اور ان کی اطاعت حقیقتاً خدا کی اطاعت

ہے کیونکہ محمدؐ وآلِ محمدؐ وہی حکم دیتے ہیں جو خدا نے حکم دیا ہے۔ وہ خدا کے خلیفہ اور نائب ہیں اور خدا کے دیئے ہوئے علم سے بولتے ہیں۔ قرآن میں آیا ما ینطق عن الھویٰ ان ھوا لاّ وحی یوحیٰ (رسولؐ) اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا۔ وہ وہی بولتا ہے جو اس پر وحی کیا جاتا ہے۔

ائمہ اہلِ بیتؑ کیونکہ رسولِ خداؐ کے حقیقی خلیفہ اور جانشین ہیں اس لئے وہ وہی کہتے ہیں کہ جو رسولِ خداؐ نے فرمایا اور وہی کرتے ہیں جو رسولِ خداؐ نے کیا۔ اسی لئے جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا "جو یہ چاہتا ہے کہ میری زندگی جئے اور میری موت مرے اس کو چاہیئے کہ علی ابنِ ابی طالبؑ کو اپنا سرپرست اور حاکم بنائے یعنی علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی اطاعت اور پیروی کرے۔ (صواعقِ محرقہ ابنِ حجر مکی)

اور ائمہ اہلِ بیتؑ حضرت علیؑ کے جانشین ہیں اس لئے ان کی اطاعت حضرت علیؑ کی اطاعت ہے۔ ان کی پیروی حضرت علیؑ کی پیروی کرنا ہے۔

جن میں ہر ایک محمدؐ نظر آئے سب کو
ایسے بارہؑ نے محمدؐ کی نیابت کی ہے

(پروفیسر سردار نقوی مرحوم)

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: اولنا محمدؐ و اوسطنا محمدؐ و آخرنا محمدؐ و کلنا محمدؐ

ہمارا اوّل بھی محمدؐ ہے۔ ہمارا درمیان بھی محمد ہے اور آخر بھی محمدؐ ہے اور کل کے کل محمدؐ ہیں۔

یہ حدیث ثابت کر رہی ہے کہ ائمہ اہلِ بیتؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے حقیقی معنوں

میں خلیفہ اور وارث ہیں۔ اس لئے ان کی پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہے۔

خلاصہ تفسیر سورہ فاتحہ

بیان آیت اللہ آقائے مرزا احمدی پویاؒ

ترجمہ: جناب سبط حیدر

حضرت آیت اللہ آقا مرزا احمدی پویاؒ نے فرمایا۔ ''سورہ فاتحہ کیونکہ پورے قرآن کا حاصل، خلاصہ اور عطر ہے۔ اس لئے یہ سورہ عالمِ انسانیت کے لئے مذہبی علم کا بے حد اہم سرچشمہ ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ (۱) یہ سورہ کئی بار نازل ہوا۔ (۲) ہر سورے کی ابتداء میں بار بار نازل ہوا۔ سوائے سورہ توبہ کے (۳) اور اس کا نماز میں پورا پڑھنا لازمی ہے۔ (۴) یہ سورہ پورے قرآن کا خلاصہ اور دیباچہ ہے۔ (۵) قرآنِ مجید کا سب سے اہم اور سب سے افضل سورہ ہے۔

اس سورے کا بیان، طرز کلام، آیات کی صنائع، ترتیب ادبی اور معنوی اعتبار سے ایک عظیم شاہکار ہے۔ صورت وشکل کے لحاظ سے بھی یہ سورہ لاجواب ہے۔ یہاں تک کہ اسلام دشمن ادباء، علماء اور مستشرقین کو بھی اس سورے کی تعریف کرنی پڑی۔

اس سورے کو بار بار پڑھنے، سمجھنے، دہرانے اور اپنے وجود میں سمونے سے انسان خدائی صفات حاصل کرسکتا ہے۔ اس کا کردار مقدس اور اس کی توجہات خدا کی طرف مبذول ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کی بہترین معرفت حاصل کر لیتا ہے اور اس طرح قربِ الٰہی کے لئے دل وجان سے کوشاں ہو جاتا ہے۔ محبتِ الٰہی اور صفاتِ الٰہی کا

حصول اس کی مقصدِ حیات بن جاتے ہیں۔اس سورے سے درج ذیل تعلیمات واضح طور پر بیان ہوتی ہیں:

سورہ فاتحہ کی تعلیمات

(۱) تمام کائنات اور ماورائے کائنات کا بنانے والا، پالنے والا مالک صرف ایک ہے۔جس کے کوئی برابر نہیں۔(۲) اس کی بنیادی صفات رحمان ورحیم ہیں۔یعنی بے حد مسلسل رحم کرنے والا۔(۳) ساتھ ساتھ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔کیونکہ وہ صحیح معنی میں مرضئ مطلق ہے۔(۴) وہ کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔کیونکہ وہ مطلق اور حقیقی منصف ہے۔(۵) وہ سب کو زندگی دینے والا، پالنے والا مالک ہے۔بلکہ وہی حقیقی زندگی ہے۔(۶) کیونکہ وہ ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اس لئے ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے۔

(۷) کیونکہ وہ سب کو فیض اور فائدے پہنچاتا ہے اس لئے ہر ایک سے محبت کرتا ہے۔

(۸) وہی ہماری دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور ہر معاملے میں ہماری مدد کرتا ہے۔

(۹) کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اس لئے اسی سے دعائیں مانگنی چاہئیں۔(۱۰) اس کی رحمت، کائنات کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔اس لئے اس کی نعمتیں آفاقی اور کبھی ختم نہ ہونے والی ہیں لہٰذا ازلی، ابدی سرمدی، دائمی ہیں۔(۱۱) کیونکہ وہی خالق، مالک، رحمان ورحیم ہے۔اس لئے وہی تمام تعریفوں کا حقیقی مستحق ہے۔شکریہ اور احسان مندی اسی کے لئے ہے۔

(۱۲) وہ پوری کائنات کا پالنے والا مالک ہے۔کسی خاص قبیلے فرقے کا خدا نہیں ہے۔(۱۳) اس کے سوا کسی اور کی غلامی کرنا انسان کو انسان کا غلام بناتا ہے۔صرف

ایک خدا کو مان کر انسان تمام انسانوں کے بنائے ہوئے بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔(۱۴) کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق مالک ہے۔اس لئے وہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔وہ تمام انسانوں میں محبت اور شفقت کو پسند فرماتا ہے۔

(۱۵) ایک دن ہم سب کو اپنے اعمال کا حساب ضرور دینا ہے۔کیونکہ خدا نے اس دنیا کو اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔قیامت کا دن ہر ہر ذرہ کے وزن کے برابر اچھے عمل کی جزا ضرور ملے گی۔ذرہ برابر برائی جو انسان نے کی ہوگی اس کو وہ ضرور دیکھے گا۔اگر وہ دنیا میں خدا کی اطاعت کرے گا یعنی نیک اعمال کرے گا تو خدا اس کو اس کی پوری پوری جزاء دے گا۔ساتھ ساتھ خدا کی رحمت اور معافی کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں۔اگر گناہ کیے ہیں تو خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔گناہوں پر دل سے شرمندہ ہو کر خدا سے معافیاں مانگو اور اپنی اصلاح کرلو۔خدا تمہارے تمام گناہ معاف کردے گا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔اور اس نے اس کا بارہا وعدہ فرمایا ہے۔

(۱۶) حقیقی سچی ہدایت صرف خدا عطا فرماتا ہے اس لئے اسی سے ہدایت مانگنی چاہئے۔(۱۷) ہدایت یہ ہے کہ انسان پاک نیک اچھے لوگوں سے قلبی محبت کر کے ان کو اپنے لئے نمونہ عمل بنا کر عملاً ان کی پیروی کرے۔اسی کو تولا کہتے ہیں۔اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔

(۱۸) ہر برائی سے بچنے کے لئے خدا سے دعا کرتے رہنا ضروری ہے اور اچھوں کی پیروی کرنے کے لئے بُروں سے علیحدگی اور نفرت ضروری ہے۔اسی کو تبرا کہتے ہیں۔(۱۹) مسلمان خدا سے ہدایت طلب کرتا ہے۔جب کہ عیسائی ہدایت کے بجائے خدا سے اس طرح دعا کرتے ہیں:۔

"اے آسمانی باپ۔ تیرا نام مقدس ہے۔ زمین اور آسمان میں تیری بادشاہت ہے۔ ہمیں ہماری روز کی روزی دیدے۔ ہمارے غلط کاموں کو معاف کردے۔ کیونکہ ہم نے بھی ان کو معاف کردیا ہے جنہوں نے ہم سے غلط کیا ہے۔ ہمیں امتحان میں نہ ڈال۔ ہمیں ہر برائی سے بچا۔ کیونکہ تیری بادشاہت، یعنی قوت اور تیری شان وشوکت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔" (بائبل، میتھیو۔ ۱۳۔ ۹:۶)

انسان کو صرف آج کی روٹی ہی نہیں چاہئے مرتے دم تک روٹی بھی چاہئے اور کپڑا، مکان، صحت، دوا، مال اولاد اور نہ معلوم کتنی بے شمار چیزیں زندگی بھر درکار ہیں۔

روٹی سے زیادہ اہم خدا کی ہدایت ہے۔ انسان کو ہمیشہ اللہ کے احسانات کو دل سے مانتے رہنا چاہئے یہی حقیقی شکر ہے کہ دل زبان اور عمل سے ہمیں خدا کی عطاؤں اور رحمتوں پر شکر گزار رہنا چاہئے تاکہ خدا ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمادے۔

(۲۰) سورۂ حمد اچھائی اور اچھوں سے محبت کی تعلیم دیتی ہے اور بُرائی اور بُروں سے نفرت اور دوری سکھاتی ہے۔

(۲۱) ہر کام کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرنا چاہئے۔ یہ ایک دعا ہے جس کا انجام لازماً اچھا ہے۔ اس کے بار بار سمجھ کر پڑھنے سے خدا کی رحمت، برکت اور مدد لازماً ہاتھ تھام لیتی ہے۔ بسم اللہ پڑھ کر انسان اپنی کمزوری اور بے چارگی کو بھی تسلیم کرتا ہے اور خدا کی لامحدود قوت کو بھی تسلیم کرتا ہے، خدا کو رحمان ورحیم پکار کر خدا سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے۔ اس طرح اس بات کو دل سے تسلیم کرتا ہے کہ کوئی کام خدا کی

مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اصل حکومت صرف خدا کی ہے۔

اگر کوئی کام بسم اللہ پڑھے بغیر شروع کیا جاتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ کام مکمل ہو جائے۔ مگر اس کام سے خدا خوش نہیں ہوتا۔ ہر نیک عمل اسی وقت خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے جب وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے اور اس کے لئے خدا سے مدد بھی طلب کرنی ضروری ہے۔ اس لئے خدا کی مدد طلب کئے بغیر کوئی کام کرنا اصل میں خدا سے بغاوت ہے۔ اسی لئے بسم اللہ کے معنی یہ بھی ہیں کہ میں خدا کے نام سے اور خدا کی مدد سے صرف خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے شروع کر رہا ہوں یعنی خدا مجھے اس بات کی توفیق اور مدد عطا فرمائے کہ میں صرف خدا کو خوش کرنے کے لئے ہر کام کروں یعنی میرا یہ عمل خالص اللہ کی خوشی حاصل کرنے کے لئے ہو۔

لفظ ''اللہ'' کی تشریح

از آیت اللہ مرزا احمدی یویاؒ

اس لفظ یعنی ''اللہ'' کے مترادف کسی زبان میں کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے جو اللہ کا صحیح اور مکمل مفہوم ادا کر سکے۔

پرانے زمانے میں ''عظیم طاقت'' کا جو نظریہ تھا وہ انبیاؑ نے ہی پہنچایا، مگر اس کے لئے ایک جامع لفظ موجود نہ تھا۔ لفظ ''اللہ'' (ال + الہ) سے مل کر بنا ہے۔ جس کا مطلب ''ایک عظیم طاقت جس کے سپرد ہر انسان کو اپنے آپ کو کر دینا چاہیے۔ وہ کائنات کی واحد عظیم ترین قوت ہے۔ اس کی حد بندی انسان کی عقل کے بس کی بات نہیں۔

اللہ کا لفظ اسی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو ہمارے ذہن میں تو ہے مگر وہ ہماری فہم وادراک میں نہیں آتا۔

''اللہ'' کا لفظ الہ سے بنا ہے جس کے معنی حیران ہونا ہے، یعنی اللہ ایسی ذات ہے جو ہمارے حواس سے بے حد بلند اور ہمارے دائرۂ علم سے باہر ہے۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''اللہ کی تخلیقات کا مشاہدہ کرو مگر خدا کی ذات کی کھوج نہ کرو کیونکہ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ اس کی ذات کیا ہے؟ کیسی ہے؟ کہاں ہے؟ کس طرح کی ہے؟''

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اے وہ جسے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ کس طرح کا ہے؟ یہ باتیں صرف وہی (خدا) جانتا ہے''۔

قرآنی تعلیمات کے مطابق اللہ کا مطلب

''اللہ'' کے نام کا مطلب ہے کہ وہ ''اعلیٰ ترین ہستی جو کائنات کی ہر ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ لیکن کوئی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ جو علیمِ مطلق ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کا کوئی ہمسر برابر اور کوئی شریک نہیں۔ تمام اچھے نام اور صفات اسی کے لئے ہیں۔ اس کی بادشاہت پوری کائناتِ عالم پر ہے۔ ہر چیز صرف اس کی مرضی سے چلتی ہے۔ وہ سب کچھ سننے دیکھنے جاننے والا ہے۔ منصفِ اعلیٰ، سب پر رحم کرنے والا، لامحدود طاقتوں والا ہے۔ اوّل بھی وہی ہے آخر بھی وہی ہے۔ وہ ذاتِ مطلق ہے، تمام مقدس اور اعلیٰ اچھی صفات کا حامل ہے۔

''وہ اللہ ہے۔ سب کو پیدا کرنے والا۔ شکلیں دینے والا ہے، سارے اچھے

نام اسی کے لئے ہیں"۔ (سورہ حشر ۲۴)

دوسرے مذاہب نے خدا تعالیٰ کو انسان کی سطح پر لا کر کھڑا کرنے کی کوششیں کیں۔ اس کے برعکس اسلام چاہتا ہے کہ انسان خدا سے ہدایات اور توفیقات، امداد اور صلاحیتیں پا کر بلند ہو کر خدا کا قرب حاصل کرے۔ انسان جتنا خدا کی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہے وہ خدا کے قریب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ اسلام یہ بتانا چاہتا ہے کہ کائناتِ میں مرضی صرف اور صرف ایک خدا کی چلتی ہے۔ اس لئے خدا سے بہتر پناہ گاہ کوئی نہیں۔ نہ اس سے بہتر کوئی ہمارا آقا، سرپرستِ اعلیٰ ہو سکتا ہے۔ پھر ہر انسان خواہشات سے بھرا ہوا ہے یعنی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

اس لئے انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس اعلیٰ ترین ذات کی طرف پوری توجہ کرے جو اکیلا' تمام جہانوں کا پالنے والا مالک ہے۔ اسی سے مانگے اسی سے محبت کرے، اس کی اطاعت کرے اور اس طرح اس اعلیٰ ذات سے اپنے تعلقات ہموار کرے۔ اس کے احسانات کو سمجھ کر اس کی (حمد) تعریفیں کرے۔ اس کا احسان مند ہو مگر اس کی اطاعت بغیر سوچے سمجھے نہ کرے، سوچ سمجھ کر دل سے مان کر اختیاراً اس کی اطاعت اور غلامی اختیار کرے۔ یہ جان کر اس کی اطاعت کرے کہ وہی ہر چیز عطا کرتا ہے، وہی رحمان و رحیم ہے۔

وہی سب کو پالنے والا مالک ہے۔ وہی قیامت کے دن کا مالک ہے۔ وہی اصل ہدایت دینے والا ہے۔ وہی تمام نعمتیں دینے والا ہے۔ وہ ہم سے اس قدر گہری محبت کرتا ہے کہ اس کا جواب صرف اس کی عملاً اطاعت۔ اور شکریہ ادا کرنے ہی سے دیا جا

سکتا ہے۔ اور اس کی تعریفیں کرنا بھی اس کی عنایتوں کا جواب ہے۔

انسان جب خدا کی تعریف اور شکر دل سے ادا کرتا ہے تو فوراً اس کا قلبی تعلق خدا سے قائم ہو جاتا ہے۔ پھر انسان ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو کر کسی جھوٹے خدا کو نہیں مانتا۔ پھر انسان صرف یہی چاہتا ہے کہ میں اس عظیم ترین قوت کا دل سے شکریہ اور اس کی عملاً اطاعت کر کے اس کے قریب سے قریب تر ہو جاؤں۔

الحمد

حمد کا تعلق اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے ہے۔ حمد سے پہلے ال کا لاحقہ (یعنی الحمد) بتاتا ہے کہ اللہ نہ صرف اپنے خدائی اوصاف کی وجہ سے قابلِ تعریف ہے بلکہ اس لئے بھی قابلِ تعریف ہے کہ وہ تمام اچھے صفات کا اکیلا مالک ہے کیونکہ اس کے اعلیٰ صفات ہمیشہ ہمیشہ سے اس کی ذات میں ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس لئے حمد صرف اللہ کے لئے ہے۔ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ ہم جس قدر خدا کی حمد کرتے ہیں اس قدر خدا کے نزدیک تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور برائیوں سے بھی دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ہم خدا کا رحم بھی حاصل کر لیتے ہیں اور خود پاک سے پاک تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آخر کار خدا کی صفات کی جھلک ہمارے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم خدا صفات بن جاتے ہیں۔

کشاں کشاں لئے جاتی ہے آرزوئے وصال
کشاں کشاں ترے نزدیک آتے جاتے ہیں

رب العالمین

عربی میں پالنے والے اور دینے والے مالک کو کہتے ہیں۔ راغب اصفہانی نے لکھا کہ "رب کے معنی کسی چیز کی دیکھ بھال کرنے والے کے ہوتے ہیں تا کہ اس چیز کو ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک پہنچا کر ترقی دی جائے۔ یہاں تک کہ وہ تکمیل کی پوری حد حاصل کر لے"۔

"ہمارا پالنے والا مالک وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل دی اور پھر ہدایت بھی دی"۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۵۰)

خدا کا حقِ ربوبیت ادا کرنا خود بتاتا ہے کہ خدا اپنی مخلوق کے لئے کس قدر شدید محبت اور رحمت رکھتا ہے کیونکہ ہر چیز کی تخلیق سے لے کر آخری مرحلے تک ہر چیز خدا کی ربوبیت ہی پر انحصار کرتی ہے۔ انگریزی میں رب کے لفظ کا کوئی مترادف لفظ نہیں ہے اس لئے مجبوراً lord کہتے ہیں جو کسی حد تک مفہوم کو ادا کر سکتا ہے۔

ربوبیت

آیت اللہ آقا پویاؒ نے فرمایا کہ ربوبیت خدا کا لطف و کرم اور مہربانی ہے۔ جو نتیجہ ہے اس کے انتہائی شفاف، نرم اور ملائم احساساتِ محبت کا اور اس کے لئے وہ علم بھی درکار ہے جو انسانی ضروریات کا پتہ چلا کر ان کو اپنی قدرت و حکمت کے ذریعہ مہیا فرمائے۔ ربوبیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ مخلوقات کے لئے قانون سازی فرمائے تا کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں۔ پھر اسی قانون کے پہنچانے اور نافذ کرنے کے لئے نبوت اور امامت کے عہدے قائم کئے گئے ہیں۔

کیونکہ خداوند عالم تمام جہانوں کا رب ہے اس لئے وہ ہر چیز پر حاکم بھی ہے۔ وہ اپنی لامحدود قوتوں کے باعث ہر چیز پر قادر بھی ہے اور ہر چیز کا خالق مالک ہونے کی وجہ سے ہر چیز کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ اور اپنی قدرتِ کاملہ کی وجہ سے اس کی حکومت اور خود مختاری تمام جہانوں پر محیط ہے۔

کائنات کو اس طرح تقسیم بھی کیا گیا ہے

(۱) عالمِ ناسوت۔ یعنی مادی دنیا جس میں ہم رہتے ہیں۔

(۲) عالمِ ملکوت۔ مافوق الفطرت دنیا جس میں جنات اور ملائکہ وغیرہ ہیں۔

(۳) عالمِ جبروت۔ روحانی دنیا جس میں ارواح رہتی ہیں۔

(۴) خدائی دنیا جہاں اعلیٰ ترین ارواح اور ملائکہ رہتے ہیں۔

(۵) غیب الغیوب۔ انجانی دنیا جسے ہم بالکل نہیں جانتے۔

خداوند عالم ان تمام عالموں کا پالنے والا مالک ہے۔ جو ان کی تربیت و پرورش کرکے ان میں ارتقائی تبدیلیاں لاکر ان کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے، وہ بھی اپنی انتہائی محبت اور شفقت کی بنا پر۔ ربوبیت وہ فریضہ ہے جو خداوند عالم نے خود اپنے اوپر فرض فرمایا ہے۔ اسی ربوبیت کی وجہ سے خدا ہماری ہدایت بھی فرماتا ہے۔ تاکہ ہم ہر قسم کے نقصانات سے بچ کر دنیا اور آخرت کے تمام فوائد حاصل کرسکیں۔

اسی ربوبیت کی وجہ سے خداوند عالم نے ہماری تمام ضروریات کی چیزیں پیدا کی ہیں۔ پھر ہر چیز کے لئے حصول کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ ہے اگر ان تمام چیزوں کو غور سے دیکھا جائے تو از خود ثابت ہو جاتا ہے کہ ان سب کا خالق صرف ایک ذات ہے جو

وحدہ لا شریک ہے۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی نوری ہو کہ ناری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں

(اقبال)

خدا کی ہدایت کا مطلب

خدا کی ہدایت کا مطلب ہے ہر چیز کے لئے صحیح رہنمائی فراہم کرنا۔ خدا کی یہی ہدایت تمام زندہ اجسام کے اعمال کی رہنمائی کرتی ہے۔ سورج' چاند' ستارے' انسان' حیوان' نباتات' جمادات' بخارات' غرض ہر شے' ہر مقام' ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے سہارے موجود اور برقرار ہے۔ کائنات کی ہر چیز مناسب ترین انداز میں مربوط ہے اور اپنی اور دوسروں کی ضرورتیں پوری کر رہی ہے۔ خدا سب کو پالنے والا ہے، سب کی حفاظت فرما رہا ہے۔ اور سب کو رزق عطا فرما رہا ہے۔

مثلاً ایک بچے کے پیدا ہوتے ہی ماں کا سینہ دودھ سے بھر جاتا ہے۔ درخت کی جڑیں زمین سے اپنی ضرورت کی چیزیں جذب کرنا شروع کر دیتی ہیں اور بیکار چیزوں کو دوسروں کے لئے چھوڑ دیتی ہے۔ مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنے لگتا ہے۔ گویا ہر مخلوق کو خدا نے اس کی ضرورت کے مطابق ہدایت عطا فرمادی ہے جس پر وہ عمل کر رہے ہیں۔ خدا نے فرمایا۔ "اے رسولؐ! آپ اپنے سب سے بلند رب کے نام کی تسبیح (تعریف) کریں جس نے پیدا کیا۔ پھر ٹھیک کیا اور پھر ایک اندازے کے مطابق اس کی ہدایت فرمائی۔" (سورہ اعلیٰ آیت ۱ سے ۳)

یہ سب کچھ ایک ذاتِ مطلق نے کیا جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جو حاکمِ اعلیٰ، ربِ اعلیٰ، منصفِ اعلیٰ، بے حد مسلسل مہربان اور رحیم ہے۔ اس لئے اب جھوٹے خداؤں کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ اس حقیقی خدا نے تمام عالمین کی تمام ضروریات پورا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس طرح خیالی خداؤں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا "جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے، خدا ان سب کا (اکیلا) پالنے والا مالک ہے"۔ (قرآن سورۂ شعراء۔۲۳)

اللہ نے خود کو رب العالمین فرما کر ہمیں متنبہ کیا کہ اب ہم کسی مخلوق کے ساتھ ناانصافی حق تلفی نہ کریں۔ چاہے وہ چیز کتنی ہی کمزور اور حقیر کیوں نہ ہو کیونکہ ان سب کا خالق مالک خداوند عالم ہے جو سب کا پالنے والا مالک ہے۔ پھر وہی بدلے کے دن کا مالک بھی ہے۔ اس لئے ہر چیز کو خدا کے حوالے سے دیکھیں اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

مالکِ یوم الدین

عربی زبان میں انصاف کرنے والے کو قاضی کہتے ہیں جو قانون کو صرف نافذ کرتا ہے اور قانون کے تحت فیصلے کرتا ہے اس لئے وہ خود بھی قانون پر عمل کرنے کا پابند ہے مگر جو مالک ہوتا ہے وہ قانون بناتا ہے۔ اپنی اعلیٰ ترین قوت کو اپنی مرضی سے استعمال کرتا ہے اس لئے وہ جو چاہے فیصلے کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر جرم ثابت ہو جائے تو قاضی کو اختیار نہیں ہوتا کہ اس کی سزا ختم کر دے۔ لیکن جو مالکِ حقیقی ہو وہ اپنی مرضی سے جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ اس کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔

اب جو ایسا مالک ہو کہ رحمان رحیم بھی ہے تو اس کی معافیاں اس کی سزاؤں پر

غالب ہوں گی۔ اگرچہ بحیثیت قاضی کے جزاء و سزا کا سخت نظام خود اس نے ہی بنایا ہے، مگر اس کا رحم اس کی سزاؤں کو ختم بھی کر سکتا ہے، سوا اسکے کہ مجرم نے کوئی نا قابلِ معافی جرم (مثلاً شرک) کیا ہو یا شرمندہ ہو کر معافیاں نہ طلب کی ہوں۔

مگر یوم الدین کے مالک ہونے کا فطری تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان چوکنا رہے محتاط رہے، ظلم اور گناہوں سے ہر ممکن کوشش کے ذریعہ بچتا رہے۔ فرائض کو ادا کرتا رہے، اور ساتھ ساتھ خدا سے اس کے رحم اور معافیوں کو طلب کرتا رہے۔ مگر خدا کی سزاؤں اور ناراضگی سے ڈرنا لازمی ہے۔ اسی لئے رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ ''حکمت اور عقلمندی کی چوٹی خدا سے ڈرنا ہے''۔ (الحدیث)

اس طرح اسلام انسانوں میں ظلم کو روکتا ہے، محبت اور ہمدردی کو عام کرتا ہے تاکہ انسان بہتر رویہ اختیار کرے اور غلطیوں سے بچے اور ان پر خدا سے معافیاں طلب کرتا رہے۔ خداوند عالم نے فرمایا ''اے رسولؐ! آپؐ کہہ دیں کہ اے میرے بندے! جنھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کر کے (گناہ کئے ہیں) ! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا۔ یقیناً اللہ سب گناہ معاف کر دے گا۔ (کیونکہ) بلاشبہ خدا بڑا معاف کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔ (سورہ زمر ۵۳)

حضرت علیؑ کی دعاؤں سے خدا کی رحمتوں کو خوب سمجھا جاسکتا ہے

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں ''اے خدا! اے میرے مالک! میرے پالنہار! کیا یہ ممکن ہے کہ تو دیکھتا رہے اور میں جہنم کی آگ میں پھینک دیا جاؤں؟ جبکہ میں تیری وحدانیت پر پورا یقین رکھتا ہوں...... اور بار بار اپنے گناہوں کا تیرے سامنے اعتراف

بھی کر چکا ہوں۔ تیری تعریف کر چکا ہوں، تیری حاکمیت کے سامنے گھٹنے ٹیک چکا ہوں۔ نہیں نہیں...... مالک! یہ سب کچھ تیری ذات سے بہت دور ہے۔ کیونکہ تو بے حد سخی ہے۔ تو کبھی اس کو نہیں بھول سکتا جس کی تو نے خود پرورش کی ہے۔"

مالک کا لفظ صرف اور صرف خدا پر صادق آتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر بھی ہے، ہر چیز کا خالق ہے، ہر بات کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔ اس لئے خدا کے سوا کسی اور کو مالک کہنا غیر حقیقی یا مجازی ہوگا۔ حقیقی معنی میں ہر چیز کا مالک صرف خداوند عالم ہے۔

اللہ نے یوم الدّین بدلے کا دن اس لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ جس نے دنیا میں جو بویا ہے، وہ وہاں اس کو کاٹے گا۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ آخرت کی زندگی اس دنیا کی زندگی کا تسلسل ہے۔ اس لئے جو شخص دنیا میں جیسا عمل بوئے گا ویسا ہی نتیجہ آخرت میں کاٹے گا۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا "دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔ نیز فرمایا "اپنے اعمال پر خود نظر رکھو اور خدا کے آخری فیصلے سننے کی تیاری کرو۔ اپنے اعمال کا وزن اور حساب خود کرتے رہو۔ اس سے پہلے کہ آخری مرتبہ ان کو تولا جائے"۔

قرآن میں یوم الدّین کا لفظ

قرآن میں یوم الدین کا لفظ ہمارے دنوں کے حساب سے نہیں آیا ہے۔ قرآن کا لفظ 'یوم' ایک لمحہ بھی ہو سکتا ہے اور پچاس (۵۰) ہزار سال کے برابر یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی رو سے یوم سے مراد وقت ہے۔ قیامت کے دن جیسے ہی صور پھونکا جائے گا، روحیں جسموں میں داخل ہو جائیں گی۔ ہر مخلوق اپنی اصلی دنیاوی شکل میں ظاہر ہو جائے گی۔ وقت اور فاصلہ ختم ہو جائے گا۔ سب ایک جگہ جمع ہو

جائیں گے۔ ہر چیز خدا کی طرف لوٹ جائے گی اور اپنے استحقاق کے مطابق اپنی جگہ سنبھال لے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اے انسان! بے شک تو اپنے رب کی طرف جانے کے لئے سخت محنت کر رہا ہے، بالآخر تیری ملاقات اس سے (ضرور) ہوگی''۔

نیز فرمایا ''اس دن کسی کا کسی پر کوئی اختیار نہ ہوگا اور اس دن حکم (حکومت) صرف اللہ کا ہوگا۔ (قرآن)

اس دن لوگ ربّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ (قرآن) نیز فرمایا۔ ''جن لوگوں نے برائیاں کی ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان کی مانند کر دیں گے جو دل سے سمجھ کر خدا رسول پر ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اچھے کام بھی کئے۔ بہت ہی برا ہے جو وہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں۔ (قرآن)

(ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ایں محال است ومحال است وجنون)

خدا کی عبادت اور اطاعت سے کسی کو استثناء حاصل نہیں ہوسکتا

کیونکہ خدا کے برابر کوئی نہیں ہے۔ ساری مخلوقات خدا کی غلام ہیں۔ کیونکہ ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔ اسلئے اس کے بنائے ہوئے قوانین کی پابند ہے۔ اسی لئے ہم کو یہ ضرور کہنا چاہئے ایاک نعبد و ایاک نستعین ہم صرف تیری غلامی کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم صرف عبادت اور اطاعت کے ذریعے ہی خدا کو خوش کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہم پر خدا کی عبادت فرض ہے۔

اسی عبادت سے بندے کے اندر وفاداری کی روح بیدار ہوتی ہے۔ وفاداری

بشرطِ استواری اصلِ ایمان ہے۔ اس خدائے واحد کی عبادت کی وجہ سے ہم جھوٹے خداؤں کی غلامی سے نجات پاتے ہیں۔ پھر خدا کا وفادار بندہ خدا کی عبادت کرتے ہوئے خدا کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کی ہر طرح سے مدد فرمائے۔ اس کی تمام ضروریات کو پورا کرے۔

اس لئے ہمارا یہ اعلان کہ ''ہم صرف تیری غلامی کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں''۔ ہمارے لئے بڑا سامانِ اطمینان وسکون ہے۔ یہ کہہ کر بندہ پھر صرف خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے جان دیتا ہے۔

یہی مقامِ ابراہیمیؑ ہے۔ جس کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ ''اے رسولؐ کہہ دو کہ میری نمازیں، میری عبادتیں، میری زندگی اور میری موت، سب اللہ کے لئے ہے، جو عالمین کا پالنے والا مالک ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں خدا کے سامنے اپنا سر تسلیم واطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں''۔ (قرآن)

یہی مقامِ انسانیت کی تکمیل ہے۔ اسی مقام پر پہنچ جانے کے بعد خدا بندے سے خود یہ فرماتا ہے۔ ''اے نفسِ مطمئنہ! لوٹ اپنے پالنے والے مالک کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ میری جنت میں داخل ہوجا۔ میرے غلاموں میں داخل ہوجا''۔ (قرآن سورہ فجر)

مطلب یہ ہوا کہ زندگی بھر بندے نے خدا کی غلامی اور اطاعت کی۔ اس لئے موت کے وقت خدا نے اس کو اپنا غلام مان لیا۔ اور فرمایا: ''عبادی'' ''میرے غلام ''میری جنت میں داخل ہوجا۔ میرے خاص غلاموں میں شامل ہوجا۔

جنابِ زینبؑ نے اپنے بیٹوں عون ومحمد سے میدان جنگ کی طرف جاتے ہوئے

فرمایا تھا۔

تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں؟
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں

(میر انیسؒ)

اسی طرح مرتے وقت خدا اپنے اطاعت گزار بندوں کو خود اپنا غلام فرما رہا ہے۔ یہی ایک غلام کی معراج اور سب سے بڑی کامیابی ہے کہ وہ خدا کی غلامی سے مطمئن ہے۔ اس لئے اس نے پوری زندگی خدا کی اطاعت پر خرچ کر دی ہے اور مرتے وقت خدا خود اس کو اپنا غلام فرما کر اس سے خطاب فرما رہا ہے۔ خدا کے ایک غلام کی اس سے بڑی کامیابی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ لمثل هذا فليعمل العاملون "ایسی ہی بھرپور کامیابی کے لئے کام کرنے والوں کو کام کرنا چاہیے"۔ (قرآن)

جب بندہ خود کو خدا کا غلام کہتا ہے تو اب اس کے لئے بے لگام آزادی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اب وہ خدا کی حاکمیتِ اعلیٰ کے تحت زندگی گزارتا ہے۔ یعنی خدا کے قوانین پر عمل کرتا ہے۔ کیونکہ خدا کے قوانین پر عمل کرنا ہی خدا کی حاکمیتِ اعلیٰ کو عملاً تسلیم کرنا ہے۔ یعنی انسان آزاد ہے مگر اللہ کی مرضی کے تابع رہ کر۔ اسی کو درمیانی راستہ کہہ سکتے ہیں۔ نہ مکمل آزادی نہ سو فیصد بے اختیاری۔

پھر اللہ کو اپنا پالنے والا مالک (رب) مان کر اس سے مدد مانگنا ایک منطقی تقاضا ہے۔ یہ دعا مانگ کر مومن مطمئن ہو جاتا ہے کہ میں نے اپنے مالک کی خدمت میں اپنی درخواست دائر کر دی ہے۔ اس کی شنوائی ضرور ہوگی۔ چاہے دیر ہی میں کیوں نہ ہو۔ کیونکہ خدا کے ہاں دیر ہو سکتی ہے اندھیر نہیں ہو سکتی۔ روشنی سے روشنی ہی نکلتی ہے

اندھیرا نہیں نکلتا۔

ہاں اگر شنوائی میں دیر ہو تو خدا کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا کیونکہ ہمارا علم خدا کے لامحدود علم کو نہیں سمجھ سکتا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ شنوائی میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟ ممکن ہے اس میں ہمارا امتحان مقصود ہو، یا خیر کی جزا دینا منظور ہو یا عقل وایمان کو تولنا مقصود ہو۔ بہرحال ضرور کوئی مصلحت ہے کہ دعا فوراً قبول نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے انتظار اور صبر بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور صبر کرنے کا اجر بلا حد اور بے حساب دیتا ہے۔

اھدنا الصراط المستقیم

ہر انسان فطرتاً سچ اور حق کا طلب گار ہوتا ہے۔ اس لئے وہ سیدھے سچے راستے کی ہدایت خدا سے مانگتا ہے تاکہ وہ روحانی اور عقلی طور پر مکمل ہو سکے۔ انسان اپنے مقصدِ حیات کو پورا کرنے آیا ہے۔ اس لئے خدا سے دعا کرتا رہتا ہے کہ وہ اس کو سیدھے راستے پر قائم رہنے اور ترقی کرنے میں مدد کرتا رہے۔ کیونکہ انسان خدا کی مدد کے بغیر خدا کی اطاعت نہیں کر سکتا۔ اس لئے انسان کی زندگی ایک جہد مسلسل ہے تاکہ وہ اللہ تک پہنچ جائے۔ انسان کو اپنی تکمیل کے لئے خدا کی ہدایت اور توفیقات کی بے حد ضرورت ہے۔ بالکل صحیح معنی میں ہدایت یافتہ لوگ وہ ہیں جن کو خدا نے خود پاک قرار دیا ہے۔ خدا نے ان کے لئے فرمایا "اے اہلِ بیتِ رسولؐ! اللہ نے بس یہ ارادہ کرلیا ہے کہ وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمھیں ایسا پاک قرار دے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے۔ (قرآن آیہ تطہیر)

معلوم ہوا کہ محمدؐ وآلِ محمدؐ افضل ترین صاحبانِ نعمت ہیں اور انہی کا طریقہ زندگی اختیار کرنا سیدھے راستے پر چلنا ہے۔ کیونکہ خدا نے ان ہی کو ہمارے لئے نمونہ عمل بنایا ہے۔ کیونکہ صحیح اور سیدھے راستے کی پہچان صرف اسی وقت ممکن ہے جب سامنے کوئی نمونہ عمل موجود ہو۔ اسی لئے خدا نے فرمایا۔" جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرے تو وہ لوگ (ہمیشہ) ایسے لوگوں کے ساتھ ساتھ رہیں جو (خدا کی طرف سے) انعام پانے والے ہیں۔ اور وہ (۱) نبیینؑ ہیں، (۲) صدیقینؑ ہیں (۳) شہداء اور (۴) صالحین ہیں اور وہ بہترین ساتھی ہیں۔ (سورہ نساء)

جو لوگ خدا کی اطاعت کی زندگی گزارتے ہیں وہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو خدا کو راضی کرنے کے لئے خدا کی مرضی پر چلتے ہیں۔ خدا ان کو گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کر سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ کیونکہ " خدا کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے"۔ (قرآن) اسی بنا پر خدا نے انبیاءؑ کو چنا اور ان کو انسانیت کے لئے نمونہ عمل قرار دیا۔ وہ لوگ اللہ کی طرف ہر دم متوجہ رہتے ہیں۔ اس لئے خدا سے اس قدر قریب ہو جاتے ہیں کہ بقولِ خدا " صرف دو (۲) کمانوں کا فاصلہ ان کے اور لامحدود ہستی کے درمیان رہ جاتا ہے"۔ یہ کمالِ قرب کا بیان ہے۔

انبیائے کرامؑ کے بعد صدیقینؑ ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں۔ کیونکہ وہ انبیاءؑ کی کامل پیروی کرتے ہیں۔ ان میں سب سے افضل وہ ہیں کہ جن کی پاکیزگی کا کلمہ خود خدا نے قرآن میں آیہ تطہیر میں پڑھا ہے۔ اور وہ آلِ رسولؐ ہیں۔ وہ اتنے پاک ہیں کہ جو پاک ہونے کا حق ہے۔ انہوں نے کبھی خواب وخیال میں بھی گناہ کا ارادہ تک نہیں کیا ہے۔ اس لئے وہ معصوم کہلاتے ہیں۔ ان کی کل تعداد چودہ (۱۴) ہے۔

جنابِ رسولؐ خدا، حضرت فاطمہ زہراؑ اور بارہ (۱۲) ائمۂ اہلِ بیتؑ جو حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ تک ہیں۔ ان کا اتباع اور اطاعت اسی وقت ممکن ہے جب ان میں سے کوئی ایک ضرور دنیا میں موجود ہو۔

یہ ائمۂ اہلِ بیتؑ (محمدؐ و آلِ محمدؐ) مثالی کردار اور راست بازی کا نمونہ اعلیٰ ہیں۔ یہ آلِ محمدؐ پاکیزگی میں خود حضورؐ کی طرح ہیں۔ اسی لئے ان کو پنجتن پاکؑ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لئے ان پر درود پڑھا جاتا ہے اور رسولؐ خدا نے فرمایا ہے "میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں"۔ (الحدیث)

نیز فرمایا "میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں"۔ نیز جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا "میں تم میں دو (۲) بے حد قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں (۱) اللہ کی کتاب اور (۲) میرے اہلِ بیتؑ۔ تم جب تک ان دونوں سے مضبوط تعلق جوڑے رکھو گے کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ کبھی ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ مجھ سے حوضِ کوثر پر آملیں گے"۔ (صحیح مسلم)

رسولؐ خدا نے فرمایا: "میرے اہلِ بیت کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے منہ موڑا وہ ہلاک اور برباد ہوا"۔

(تفسیر کبیر)

حضرت نوحؑ کی کشتی واحد ذریعہ نجات تھی اس لئے اس امت کے لئے واحد ذریعہ نجات رسولؐ کے اہلِ بیتؑ ہیں۔

وحی کے ذریعے خدا کی ہدایات اسی وقت تک آتی رہیں جب تک خدا نے چاہا۔ پھر اللہ کی وحی کا دوسرا انداز الہام بھی ہے۔ یہ الہام یا القاء اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے

لوگوں کی ہدایت کے لئے کرتا رہتا ہے۔ خدا نے شہد کی مکھی پر بھی وحی کی ہے۔

(قرآن ۱۶:۶۹)

اب یہ کہنا کہ کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ "ہم نے شہد کی مکھی پر وحی کی"۔ اس لئے وہ رسول ہوگئی، بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ رسولؐ پر جو وحی آتی ہے وہ ایک بامقصد، بامعنی پیغامِ ہدایت ہوتا ہے جو جبرئیلؑ لاتے ہیں۔ اب کیونکہ خدا کے تمام پیغامات آچکے ہیں اور قرآن اعلان کر چکا ہے کہ "آج تمہارا دین مکمل ہو گیا ہے اور نعمتیں مکمل ہو چکی ہیں"۔ اس لئے اب کسی رسول کے آنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لئے محمد مصطفیٰؐ آخری نبی ہیں۔ انبیاءؑ کے بعد نبیؐ کے اولیاؑ جو ائمہ اہلِ بیتؑ ہیں جو حقیقی صدیقینؑ ہیں۔

انبیا اکرامؑ کے بعد ان کے اقوال و اعمال ہمارے لئے نمونۂ عمل اور سامانِ ہدایت ہیں۔ وہ شہدا اور صالحین کے بھی سردار ہیں۔ غرض محمدؐ و آلِ محمدؐ صاحبانِ نعمت ہیں سب سے افضل افراد ہیں۔ ان کا طریقۂ زندگی عملاً اختیار کرنا صراطِ مستقیم پر چلنا ہے جو ان کی معرفت اور محبت کے بغیر ممکن نہیں۔

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

مالک ہمیں ان کا راستہ نہ دکھا جن پر تو نے غصہ فرمایا، اور نہ ان کا جو بھٹکے ہوئے ہیں یعنی دعا مانگنے والا ان تمام لوگوں سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کر رہا ہے۔ جنہوں نے بغاوت کی اور اللہ کا غضب کمایا اور گمراہ ہو گئے۔ ان سے مراد وہ سب لوگ ہیں جو خدا کے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ خدا کی حاکمیت سے خدا کی حدود و احکامات

کوتوڑ کر گمراہ ہوگئے ہیں۔ ایسا کرنے کی وجہ سے خدا ان پر غضب ناک ہوا۔

کہا گیا کہ یہ یہودی، منافق اور ناصبی ہیں اور عیسائی گمراہ ہیں۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ جو شخص بھی خدا کے احکامات پر عمل نہیں کرتا اور ان سے بغاوت کرتا ہے وہ خدا کے غیض وغضب کا شکار ہوتا ہے۔ جو خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود کو توڑتا ہے وہی گمراہ ہوتا ہے۔ ان میں اول درجے کے لوگ یہودی، عیسائی اور دشمنانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ ہیں کیونکہ وہ جانتے بوجھتے خدا کے احکامات کو نہیں مانتے۔

اسی لئے رسولؐ خدا جن کا ہر ہر لفظ وحی الٰہی ہے۔ انہوں نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم قرآن اور اہلِ بیتِ رسول کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ کیونکہ محمدؐ وآلِ محمدؐ یعنی محمد مصطفیٰؐ اور ان کے بارہ (۱۲) جانشین ائمہ اہلِ بیتؑ اللہ کے مقرر کئے ہوئے امام ہیں۔ اب جو شخص بھی ان کے مرتبے کو گھٹائے گا یا ان کی مخالفت کرے گا، قولاً یا فعلاً، وہ خدا کے غیض وغضب کا لازماً شکار ہوگا اور یقیناً گمراہ ہوگا۔

جو شخص ان کے مرتبہ کو حد سے زیادہ بڑھائے گا یا گھٹائے گا وہ بھی مغضوب اور ضالین میں لازماً شمار ہوگا۔ اب جو شخص چاہتا ہے کہ بالکل سیدھے راستے پر چلیں تو اس کو اللہ کے مقرر کئے ہوئے رہنماؤں کے دامن سے جڑے رہنا چاہئے اور جھوٹے داعویدارانِ امامت و خلافت سے دور رہنا چاہئے۔ ان کے افکار و اعمال پر تبرا (بیزاری اور دوری) اختیار کرنی چاہئے۔ بس یہی سیدھا راستہ ہے جو محمدؐ وآلِ محمدؐ کی سچی محبت اور ان کے دشمنوں سے بیزاری ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

فتنہ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی　　　جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(اقبالؔ)

سورۂ فاتحہ کے نتائج وتعلیمات کا خلاصہ

عظیم فلسفی ملا صدرا کے اقوال کی روشنی میں

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب انسان کی تین خصلتیں ہیں (۱) شہوت: اس کی وجہ سے بخل اور حرص پیدا ہوتے ہیں (۲) غضب: اس سے تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہیں (۳) ہوائے نفس: اس سے کفر وبدعت وجود میں آتی ہیں۔ جب انسان سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تلاوت کرتا ہے تو یہ تینوں بد خصلتیں ختم ہو جاتی ہیں...... پس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اسمائے طاہرہ ہر سہ صفاتِ بد، یعنی شہوت، غضب اور ہوائے نفس کے دور کرنے کے لئے کفیل ہیں اور یہی روحانی امراض کی جڑیں ہیں اور تمام برے افعال انہی کی شاخیں اور نتیجہ ہیں۔ (تلخیص: از تفسیر انوار النجف جلد ۲ صفحہ ۴۴۔۴۵)

تشکیلِ کردار پر اس کا اثر

(۱) جو شخص خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے کسی کام کو شروع کرتا ہے وہ عملاً اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ ''میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت صاف وخالص ہے، میرا مقصد اعلیٰ ہے میں ایک خدا کا سچا پرستار ہوں اور الحاد و شرک سے بیزار ہوں۔

(۲) بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھنے والا ہر طاقت اور ہر سہارے کو چھوڑ کر صرف اور صرف خدائے یکتا پر توکل کرتا ہے اور جو کچھ اسے عطا ہوتی ہے اس پر راضی ہو کر شکر ادا کرتا ہے، تو شہوت کافور ہو جاتی ہے۔

(۳) رب العالمین (عالمین کا پالنے والا) مالک کہنے والا ساری مخلوق کو اللہ

کے حوالے سے دیکھتا ہے۔ اس کی نگاہ میں ساری مخلوق اللہ کی عیال بن جاتی ہے۔ اس لئے وہ خدادوستی کے ساتھ ساتھ انسان دوستی کا مظہر بن جاتا ہے۔ پھر ایسا انسان ،لوگوں کی گروہ بندی ،تعصب ،ظلم اور انسان دشمنی سے سخت بیزار ہوتا ہے وہ ان اختلافات کوصرف اورصرف انسان کی پہچان کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے یا ان کوخدا کی قدرت اور حکمت کی ایک نشانی سمجھتا ہے۔ پھر اپنی کفالت سے زیادہ کا حرص نہ کرے گا اورجمع شدہ پر بخل نہ کرے گا۔

(۴) الرحمٰن الرحیم :خدا کی سب سے اہم اورغالب صفت ''رحمانیت و رحیمیت'' ہے۔ اس لئے انسان کی سب سے غالب صفت رحم وکرم اور دوسروں پر مہربانی ہونی چاہئے کیونکہ دوسروں کوفائدہ پہنچانے سے بڑی کوئی عبادت نہیں۔ جب انسان میں جذبہ خدمت پیدا ہوجائے گا توصفتِ ''غضب'' دور ہوجائے گی۔

(۵) مالکِ یوم الدین :کہنے سے انسان میں خدا کے قانونِ مکافات کا تصور اجاگر ہوجاتا ہے جس سے اس میں احساسِ ذمے داری پیدا ہوتا ہے، پھر وہ زندگی کا ہر قدم پھونک کر رکھتا ہے، کسی پر ظلم یا زیادتی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا اوراس طرح اس کی زندگی بامعنی ہوجاتی ہے۔ اس کا تصورِ حیات نہایت وسیع ہوجاتا ہے۔

(۶) ایاک نعبد :پڑھنے سے تکبر کا خاتمہ ہوجاتا ہے کیونکہ خدا کی عبدیت کا اعتراف انسان کی خودی کی بھی نفی کرتا ہے اوراثبات بھی۔ نفی اس لئے کہ اب وہ خودکو مستقل وجود جو ہر چیز سے بے نیاز ہو نہیں سمجھتا اور اثبات اس لئے کہ خدا کا بندہ و فرمانبردار ہوکر وہ ہر کسی کی غلامی سے آزاد ہوجاتا ہے، پھر اس میں بلا کی خوداعتمادی، خدااعتمادی اورقوتِ ایمان پیدا ہوجاتی ہے۔

(۷) و ایاک نستعین: اس کے پڑھنے سے خود پسندی ختم ہو جاتی ہے اور خدا کی مدد طلب کرنے سے انسان میں یہ اعتماد پیدا ہو جاتا ہے کہ کائنات کی سب سے بڑی طاقت اس کی پشت پناہ ہے۔ پھر اس میں اکیلے پن اور بے یار و مددگار ہونے کا احساس ہی باقی نہیں رہتا، وہ لاکھوں تنہائیوں میں بھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا، یہاں تک کہ موت بھی اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے اس لئے کہ موت کے وقت بھی وہ خدا کی مدد کے سائے میں ہوتا ہے اور بے خوف ہوتا ہے۔

بقول اقبالؒ:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم　　چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست

مرگِ مومن چیست ہجرت سوئے دوست　　ترکِ دنیا اختیارِ کوئے دوست

(۸) اھدنا الصراط المستقیم: خدا سے سیدھے راستے پر قائم رہنے کی مسلسل ہدایت و قیام کی دعا کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ طلبِ حق یعنی خدا کی ہدایتوں کی تلاش میں رہتا ہے اور ہر ہدایت پر عمل کر کے خدا سے اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے جاتا ہے اور اسی کو سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہے اور اس طرح سیر تکامل کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ اور "ہوائے نفس" کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اپنے دل پسند راستے پر چلنے سے گریز کر کے اللہ سے صراطِ مستقیم پر رہنے اور علوِ مرتبہ کی دعا کرتا ہے۔

(۹) صراط الذین انعمت علیھم: "کے پڑھنے سے کفر رفع ہو جاتا ہے"۔ سیدھے راستے کی دعا مانگنے کے بعد وہ یہ جان لیتا ہے کہ خدا کی سب سے بڑی نعمت اس کی ہدایتیں ہیں، اس کے انبیأ اولیأء اور اوصیأء کی رفاقت ہے۔ اس طرح اس کا محبوب یا آئیڈیل کوئی آمر، جابر، سرمایہ دار، وزیر، سردار، کھلاڑی، ایکٹر نہیں

ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے لئے نمونۂ عمل انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان کی سیرت بن جاتی ہے۔ کیونکہ یہی صاحبانِ نعمت ہیں، انہی کی رفاقت کی طلب اس کی زندگی کا اصل ہدف اور ماحصلِ حیات بن جاتا ہے جو ان کی محبت اور عملی پیروی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اس طرح اس کے عمل کی اصلاح کا بہترین سامان فراہم ہو جاتا ہے اور حیاتِ ابدی کے لئے راہِ عمل بھی معین ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی قدریں مادی نہیں، بلکہ ابدی حقیقتیں اس کے پیمانے اور قدریں بن جاتی ہیں۔

پھر کیونکہ وہ اس ہدایت کو خدا کی دین وعطا سمجھتا ہے۔ اسی لئے تو وہ خدا سے دعا مانگتا رہتا ہے، قیام، بقا اور ثابت قدمی کی، تاکہ اس میں نیکیاں بجالانے کے بعد غرورِ زہد نہ پیدا ہو سکے۔ ہر نیکی کے بعد اس کے اندر احساسِ شکر بڑھ جاتا ہے کہ خدا نے مجھ پر اور زیادہ احسان فرمایا کہ اپنی توفیقات سے نوازا اور اس طرح میں کارِ خیر انجام دے سکا۔ یا برائی سے بچ سکا۔ غرورِ زہد تمام نیکیوں کو برباد کر دینے والی زہریلی چیز ہے، جس کی سب سے بڑی اور واضح مثال ابلیس (شیطان) ہے، اور دوسری مثال ہر وہ زاہد ہے جو اپنی نیکیوں پر مغرور ہو۔

غرورِ زہد نے سکھا دیا ہے مُلّا کو — کہ مردِ سادہ پہ اپنی زباں دراز کرے

(اقبالؔ)

(۱۰) غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کے پڑھنے سے بدعات کا طریقہ ختم ہو جاتا ہے۔

(مخلص از تفسیر صدرا)

سورہ حمد کا مطالعہ جدید علوم کی روشنی میں

الحمد اللہ رب العالمین

تمام تعریف اسی اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا مالک ہے

مطلب یہ ہے کہ کائنات کا خالق بھی خدا ہے اور اس کا پالنے والا مالک بھی خدا ہے۔ یعنی اس کا قائم رکھنے والا بھی خدا ہے۔ اس لئے مشرکوں کا یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ کائنات کا خالق برہما جی ہیں اور پالنے والے اور قائم رکھنے والے وشنو جی اور موت زندگی دینے والے شیوا جی ہیں۔

رب العالمین کہہ کر خالص توحید کی تعلیم دی جارہی ہے۔ اور ہر قسم کے شرک کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ رب العالمین ماننے کے بعد انسان فطری طور پر خدا کی اطاعت پر تیار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ کتا بھی جس کا کھاتا ہے اسی کے بلئے دم ہلاتا ہے۔ انسان تو صاحب عقل ہے۔ وہ کیوں کر اپنے پالنے والے مالک کی اطاعت نہ کرے گا؟ جس کا کھائے گا اس کے گن کیوں نہ گائے گا؟

وہ ہر وقت ہمارا نگراں ہے

ہمارے ہوائی جہاز باوجود پوری کوششوں کے ہر روز ٹکراتے اور گرتے رہتے ہیں۔ جب کہ کروڑوں عظیم الشان چاند سورج اور ستارے جو بڑی بڑی زمینیں ہیں اور بجلی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز چل رہی ہیں اور کروڑوں سال سے چل رہی ہیں، ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ ماننا پڑے گا کہ کوئی آنکھ ہے جو ان کی نگرانی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’کائنات کی ہر چیز اپنی نماز (یعنی قانونِ اطاعت پر) اپنے نظم وضبط

اور اپنے فرائض کو خوب جانتی ہے"۔ (سورۂ نور آیت ۴۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہے"۔

(سورہ حج)

"ایسے دن بھی ہیں جو تمھارے پچاس ہزار سال کے برابر ہیں"۔

(سورہ معارج)

معلوم ہوا کہ تمام جہانوں کا کوئی پالنے والا مالک ہے جو ان کو تباہیوں سے بچا رہا ہے۔ خدا فرماتا ہے "خدا ان کی حفاظت کرنے سے نہیں تھکتا (کیونکہ) وہ بے حد بلند اور عظیم (قوت وحکمت والا) ہے۔ (آیت الکرسی)

پھر خدا کی رحمت دیکھئے کہ ہماری زمین نہ تو اتنی تیز کشش رکھتی ہے کہ ہم پیر تک نہ اٹھا سکیں اور نہ اتنی کم کشش رکھتی ہے کہ ہلکی سی آندھی سے ہمارے گھروں کی چھتیں اڑ جائیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ خدا فرماتا ہے "ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے مطابق پیدا کیا ہے۔ (سورۂ قمر آیت ۴۹)

حاصلِ بحث یہ ہے کہ اگر انسان کائناتِ عالم کے نظام کو جو رات دن اس کے سامنے چل رہا ہے، جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ اس پر اپنی عقلِ سلیم استعمال کرے ،تو وہ لازمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ عظیم الشان نظام کسی قادرِ مطلق، حکیمِ مطلق، رحمان ورحیم، ربّ العالمین کے زیرِ نگرانی چل رہا ہے۔ (تفہیم)

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

(اقبالؔ)

یہ سارا نظامِ عالم از خود بتا رہا ہے کہ یہ از خود اپنے آپ پیدا نہیں ہوا ہے۔ نہ از خود

چل رہا ہے اور نہ ازخود باقی رہ سکتا ہے۔ جب کہ اس نظام میں ایک زبردست لازوال نظم وضبط، تسلسل، باقاعدگی، انضباط، انتظام پایا جاتا ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا:

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

ایک معمولی سی گھڑی بھی بغیر کسی ماہر فن کے نہ بن سکتی ہے اور نہ چل سکتی ہے؛ تو بھلا اتنا بڑا نظامِ کائنات ازخود کیسے بن سکتا ہے؟ اور ازخود کیسے چل سکتا ہے؟ کون ہے جو زمین وآسمان کو اور اس پورے نظام کو تھامے ہوئے ہے؟

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے
وہی خدا ہے، وہی خدا ہے، وہی خدا ہے

اللہ ہی ہے جو سورجوں اور سیاروں کے درمیان ایک خاص تناسب کے فاصلوں کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ تمام سیاروں کو ایک خاص مناسب رفتار سے چلا رہا ہے۔ ان سیاروں کو باقاعدگی سے طلوع وغروب کرا رہا ہے۔ اسی میں ان کے درمیان ایک ترتیب ہے رات دن اسی کی وجہ سے ایک برتر قانون کے اندر جکڑے ہوئے ہیں۔ گرمی سردی برسات کیسے مناسب مقدار میں آتی جاتی رہتی ہے۔ یہ تمام باتیں خدا کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

انسان کو کس نے یہ عقل دی ہے کہ وہ لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر، ان میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھاک کر، ان پر لوہے کی چادر چڑھا کر کشتی بناتا اور گہرے سمندروں کے عظیم فاصلوں کو طے کر لیتا ہے؟

پھر کون ہے جو بپھرے سمندروں کو ان کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتا؟ کون ہے جو سمندروں کو گرمی فراہم کر کے بھاپ کے بادلوں کو اوپر لے جاتا ہے۔ پھر وہاں

سردی مہیا کر کے بادلوں کی شکل دے کر ہوا کے دوش پر اڑا اڑا کر دور دراز کے خشک علاقوں میں پہنچا کر بارشیں برساتا ہے؟ اسی طرح دریا بہا بہا کر مردہ زمینوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح انسانوں، درندوں، چرندوں اور پرندوں کو ان کی روزی فراہم کر دیتا ہے۔

آخر یہ سارے انتظامات اسی قادرِ مطلق کی حکمت ورحمت و مالکیت وحاکیت کو بتا رہے ہیں؟

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدا کے سارے کے سارے کام عجیب و غریب ہیں، حیرت ناک ہیں، راز ہی راز ہیں۔ اس طرح خدا نے اپنے بندوں پر اپنی حجت تمام کی ہے اور اس طرح خدا نے اپنی حکمت، ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیت اور مالکیت کی پہچان کروائی ہے''۔

حضرت امام علی رضاؑ سے روایت ہے کہ'' عبادت یہ نہیں ہے کہ کثرت سے کھڑے ہو کر نمازیں پڑھی جائیں اور لمبے لمبے رکوع کھینچے جائیں بلکہ عبادت یہ ہے کہ اللہ کی تخلیقات، اس کے کاموں اور نشانیوں پر غور وفکر کیا جائے''۔ (الکافی)

یہی غور وفکر معرفت ایمان ویقین تک لے جاتا ہے۔ توحید کو سمجھاتا ہے۔ شرک کی نفی کرتا ہے۔ مثلاً اگر اس سارے نظام کی بنانے اور چلانے والی کئی ہستیاں ہوتیں تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ایک ذات ان تمام کاموں کے لئے کافی نہ تھی۔ وہ ایک بنانے والا بے بس تھا تو ایسے کئی ناقص بے بس اور عاجز خدا ایسی عظیم کائنات بنا ہی نہیں سکتے۔ پھر ساری کائنات میں صرف ایک نظام کا چلنا اور اس نظام میں بلا کی ہم آہنگی باقاعدگی کا ہونا واضح طور پر بتا رہا ہے کہ یہ ساری کی ساری کائنات کسی ایک خالق، مالک، صانع،

پالنے والے رحمان ورحیم کا کارنامہ ہے۔

زمین وآسمان کی یہ تمام تخلیقات خدا کے وجود اور حکمت ورحمت کا منہ بولتا علمی ثبوت ہیں۔ کیونکہ کوئی مخلوق بغیر خالق کے وجود میں نہیں آسکتی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”خدا کا دیدار ایمان کی روشنی میں عقل کے ذریعے کیا جاسکتا ہے کیونکہ عقل خدا کا اثبات بالکل اسی طرح کرتی ہے، جس طرح آنکھ دیکھ کر کسی چیز کو مان لیتی ہے۔ اس لئے خدا کی تخلیقات ہی خدا کی نشانیاں اور دلیلیں ہیں۔ ان کو دیکھنا خدا کی لکھی ہوئی کتاب کو پڑھنا ہے اور خدا کی عظمت (رحمت و رحمانیت) اور ربوبیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور سمجھنا ہے بلکہ خود خدا کو دیکھ لینا ہے“۔　　(الحدیث)

ایک منکرِ خدا نے امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ کیا خدا اس پر قادر نہیں ہے کہ خود کو دکھا دے؟

امامؑ نے فرمایا: ”تم خدا سے ایسی بات طلب کر رہے ہو جو امرِ محال ہے (ناممکن ہے) کیونکہ خدا کی ذات ہماری آنکھوں سے بے حد بلند ہے۔ ہماری آنکھیں اس کو دیکھ ہی نہیں سکتیں، نہ ہمارے ہاتھ اس کو چھو سکتے ہیں۔ اس لئے خدا کی ذات ہمیشہ ہمارے لئے حجاب میں رہے گی۔

(کتاب امام جعفر صادقؑ مصنفہ محمد ابوزہرہ مصری)

نــــوٹ: اللہ تعالیٰ کو دیکھنا تو بہت بڑی بات ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان دنیا میں موجود بے شمار مادّی اشیاء کو بھی دیکھنے سے قاصر ہے۔ بہت سی آوازوں کو ان کی موجودگی کے باوجود سننے سے معذور ہے۔ کشش ثقل، روشنی کی چھ اقسام الٹرا ساؤنڈز

اورانفرا ساؤنڈز انسان کی حد بصارت سے بالاتر ہیں۔

کیا یہ ساری کائنات اتفاقاً پیدا ہوگئی؟

اتفاقات بھی ایک اہمیت ضرور رکھتے ہیں مگر اتفاقات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہوگیا کہ سارے کے سارے اچھے اتفاقات ہوتے چلے گئے؟ ہر اتفاق تعمیری ہی ہوا، ہر اتفاق فائدہ مند ہی ہوا۔ کوئی تخریب نہ ہوئی۔ پروفیسر ولیم میکرائڈ نے لکھا: ”کیا کوئی شخص سنجیدگی سے یہ سوچ سکتا ہے کہ کائنات میں یہ نظم و ضبط یہ باقاعدگی تمام عناصر کی اتفاقاً ملاوٹ سے پیدا ہوسکتی ہے؟“۔

فرانس تھامس (عظیم سائنس دان) نے لکھا: ”حقیقت یہ ہے کہ تمام قریب و دور کی چیزوں کو ایک لازوال طاقت نے مخفی طور پر ایک دوسرے سے باندھ رکھا ہے۔ جب تم ایک پھول کو چھیڑو گے تو آسمان پر کوئی ستارہ کانپ اٹھے گا۔“

حقیقت ایک ہے ہر شے کی نوری ہو کہ ناری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں

(اقبالؔ)

ایک مغربی مفکر نے لکھا: ”یہ خیال کہ ایک اعلیٰ دماغ کائنات کے اندر اور باہر مصروف عمل ہے ایک نہایت معقول اور قابل یقین تصور ہے.........“

برنارڈ شا نے لکھا: ”کئی سال بعد انسانی عقل اتنی ترقی کر چکی ہوگی کہ ہماری موٹریں اور ہوائی جہاز اور ان سے ہزاروں گنا بہتر تیز رفتار والی سواریاں ایجاد ہو چکی

ہوں گی۔جس طرح آج پتھر کے زمانے کے آلات اور برتن میوزیم میں سجائے جاتے ہیں، اس زمانے میں ہمارے ہوائی جہاز زمانۂ جہالت کی یادگار کے طور پر عجائب گھروں میں رکھے جائیں گے۔　　(برنارڈشا)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ہم جب کسی دلیل یا منظر کو مٹا دیتے ہیں تو اس سے بہتر ویسی ہی دلیل پھر لے آتے ہیں۔"　　(القرآن)

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

(اقبال)

خدا کی رحمانیت کو دیکھئے کہ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو سورج کی گرمی سے پوری زمین پر آگ بھڑک اٹھتی۔ جاگتے جاگتے دماغ پھٹ جاتے۔ اسی لئے روشنی کی طرح رات کا اندھیرا بھی خدا کی رحمت ہے۔ خدا فرماتا ہے: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے زمین پر سایہ پھیلا دیا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو سائے کو ساکن بنا دے۔　　(فرقان آیت ۴۲)

کتنی عجیب بات ہے کہ جب رات ہوتی ہے، عین اسی وقت ہمارے سورج سے لاکھوں گنا بڑے سورج فضاؤں میں موجود ہوتے ہیں، مگر ان کی موجودگی میں بھی ہم پر اندھیرا چھایا رہتا ہے! (سبحان اللہ)

عظیم جرمن فلسفی نطشے جو خدا کو نہیں مانتا تھا لکھتا ہے: " مجھے دو چیزیں سخت حیران کرتی ہیں۔ (۱) انسان کے اندر اچھائی اور برائی کا احساس (یعنی ہر ملک رنگ قوم کا آدمی اپنے دل کے اندر بہت سی چیزوں کو اچھا اور بہت سی چیزوں کو از خود برا سمجھتا ہے۔) (۲) اور دوسری جو مجھے حیران کرتی ہے وہ تاروں بھرا آسمان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ہم نے ہر انسان کے اندر اچھائی اور برائی کا الہام کر دیا ہے۔'' (القرآن)

عظیم سائنس دان آئن اسٹائن لکھتا ہے: ''جو انسان کائنات کی تخلیق پر تعجب کرتے ہوئے نہیں ٹھہرتا وہ اصل میں مردہ ہے۔ اس لئے اس کی آنکھیں اور عقل بند ہو چکی ہیں۔''

کیا ہے تجھ کو مدرسے نے کورِ ذوق ایسا
کہ بوئے گل سے بھی تجھ کو ملا نہ گل کا سراغ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' کیا یہ لوگ زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور نہیں کرتے۔ شاید ان کی موت قریب آ گئی ہے؟ (سورہ اعراف۔۱۸۵)

خدا کی قدرت کا کمال دیکھئے کہ ایک حقیر ذرۂ برقی سے ساری کائناتِ عالم بنا ڈالی۔ ارب در ارب انسان پیدا ہو چکے مگر ایک چہرہ دوسرے چہرے سے نہیں ملتا۔ ایک کا دماغ دوسرے کے دماغ سے نہیں ملتا۔ ایک انسان کا مزاج اور ذوق دوسرے انسان سے نہیں ملتا۔ پھولوں، پرندوں، چرندوں، درندوں کی بے شمار قسمیں رنگ اور شکلیں، وہ بھی سب کے سب الگ الگ حیران کن خصوصیات رکھتی ہیں۔ یہ کائنات کوئی مشین نہیں بلکہ کسی شاعر کا زبردست تخیل معلوم ہوتی ہے۔ اس کائنات میں ایک عظیم دقیق صناعی سے عدل و توازن پیدا کیا گیا ہے۔ اے رب تیرے کام کس قدر حیران کن ہیں!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' اللہ سے صرف علماء (فطرت) ہی مرعوب ہوتے ہیں''۔ (القرآن)

اللہ کا لفظ اِلـہ' سے بنا ہے جس کے معنی حیران ہونا ہے۔ یعنی اللہ کی ذات کے کمالات ایسے ہیں کہ ہر شخص حیران ہے۔ جناب رسولؐ خدا کی یہ دعا تھی کہ'' مالک

اپنے بارے میں حیرانی میں اور اضافہ فرما۔

جو جس قدر خدا کی تخلیقات پر حیران ہے، اس قدر خدا کی معرفت رکھتا ہے۔ اسی قدر خدا سے مرعوب ہے۔ اسی قدر خدا کی نعمتوں کا قائل ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ چاند، سورج، ستاروں کی گردش میں اور انسان کے دل کے دھڑکنے میں اور نظامِ تنفس میں، ایک زبردست تناسب اور حیرت انگیز ہم آہنگی، عجیب و غریب نظم و ضبط co-relation پایا جاتا ہے۔ اس میں ذرا سا بھی خلل ہو جاتا ہے تو ہر چیز درہم برہم ہو جاتی ہے۔

غرض یہ کائنات کیا ہے؟ ایک بالکل ٹھیک اور مناسب طریقے سے باندھا ہوا نظام (system) ہے۔ اس لئے ساری کائنات میں زبردست نظم و ارتباط ہے۔ ساتھ ساتھ خوشگوار اختلاف بھی ہے۔ یہ ایک صداقت ہے جس کی لاکھوں تفسیریں اور دلیلیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللہ نے آسمان کو فضا میں اٹھا کر کائناتِ عالم میں توازن پیدا کر دیا ہے۔ (سورہ رحمٰن)

سوئیل راجرز لکھتا ہے: ''ہم حیران ہیں اور فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس چیز کی زیادہ تعریف کریں؟ اس حسابی عدل و توازن کی جو فطرت کے اندر موجود ہے یا اس خوبصورت ساخت کی جو کائنات کی ہر چیز میں پایا جاتا ہے؟

اسی لئے جنابِ رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے'' ربِّ زدنی تحیراً فیک'' خدا یا اپنے بارے میری حیرانی کو بڑھاتا چلا جا۔

آئن اسٹائن نے لکھا: ''کائنات پر ایک عظیم شعور کی حکومت ہے۔ خواہ یہ شعور کسی

ماہرِ ریاضیات کا ہے یا کسی عظیم مصور یا شاعر کا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو اس کائنات کو معنی خیز بناتی ہے۔ ہماری زندگی میں معنی، گہرائی اور رونق پیدا کرتی ہے ہماری امیدوں کو بڑھاتی ہے۔ پھر جب ہمارا علم کامیاب ہو جاتا ہے تو ہمیں یقین کی قوت بخشتی ہے"۔

نظریۂ کوانٹم کے موجد پروفیسر پلنک نے لکھا "میں شعور کو ایک بنیادی حقیقت سمجھتا ہوں اور مادہ کو شعور کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ ہم اس شعور سے آگے نہیں جاسکتے۔ جس چیز کا ہم ذکر کرتے ہیں یا جس کو موجود تصور کرتے ہیں، اس کا موجود ہونا کسی عظیم شعور ہی پر منحصر ہے"۔

سر جمیز اپنی کتاب "پراسرار کائنات" میں لکھتے ہیں: "کائنات مادی تشریح کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ پوری کائنات کی حقیقت ایک خیال (ارادہ) سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ شعور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اتفاقاً مادہ کی دنیا میں داخل ہو گیا ہو بلکہ یہی شعور مادہ کی دنیا کا خالق مالک ہے اور حکمران ہے...... کیونکہ اب مادہ ایک بے حقیقت چیز ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ کائنات ایک ایسی عظیم ہستی کا پتہ دے رہی ہے جو ہمارے شعور سے کچھ مشابہت رکھتی ہے۔ غرض کائنات کی آخری حقیقت ایک عظیم شعور ہے۔ اس لئے ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ کائنات کے خالق کا شعور ہماری طرح خدا شناس اور خود آگاہ ہے۔ اسی شعور یا شخصیت نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔

قرآن نے اس شعور کو خدا کا ارادہ فرمایا ہے۔ "جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا کہ ہو جا اور ہر چیز فوراً ہو جاتی ہے۔" (سورہ یاسین)

عظیم فلسفی ڈریٹس Drates لکھتا ہے "ساری کائنات ایک انٹی لیجی (شعور) ہے۔ جسے لوگ خدا کہتے ہیں اور ہم سائنسداں پوری کائنات کو ایک زندہ جسم قرار دیتے ہیں"۔

خداوندِ عالم فرماتا ہے: ''جو کچھ بھی زمین و آسمانوں میں موجود ہیں وہ سب اللہ کے ایک ادنیٰ غلام کی طرح اس کا تابعدار ہے''۔ (قرآن)

گویا اب بڑے بڑے سائنسدانوں نے بھی مان لیا ہے کہ کائنات کی حقیقت ایک شعور پر مبنی ہیں۔ یعنی سائنسدانوں نے خود اپنے بنائے ہوئے اس بت کو خود توڑ دیا کہ کائنات کی حقیقت صرف مادہ ہے۔ کیونکہ جدید سائنس نے مادے کو کبھی ٹھوس، سادہ اور روشن حقیقت سمجھ رکھا تھا، اب وہ تصور باقی نہ رہا۔ اب مادہ ایک بے حقیقت چیز ثابت ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر جوڈ نے لکھا: ''جدید مادہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہاتھ نہیں آسکتی اور وقت کے مرکب کا صرف ایک ابھار ہے۔ یہ برقی روشنی کا ایک جال ہے۔ یہ امکان کی ایک لہر ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے فنا ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم اسے مادے کے بجائے دیکھنے والے کے شعور کا ایک پھیلاؤ سمجھتے ہیں۔

لیجئے مادے کی حقیقت وہی ثابت ہوگئی جو غالب نے ایک مصرعہ میں فرمائی تھی۔

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔

پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ انسان کا نطفہ آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، فاسفورس، پوٹاشیم اور چونے فولاد سے مل کر بنا ہے۔ ان میں سے کسی چیز میں نہ عقل ہے نہ احساس۔ اب کس کا فنِ تعمیر و تخلیق ہے کہ ان بے جان، بے حس، معمولی سی چیزوں میں حس حواس، احساس و عقل، شعور و ادراک جیسی اعلیٰ اور نازک چیزیں پیدا کر دیتا ہے؟

خداوند عالم فرماتا ہے: ''ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے بنایا اور پھر اس کو سننے سمجھنے اور دیکھنے والا بنا دیا تاکہ ہم اس کا امتحان لیں (کہ وہ ہماری اطاعت

کرتا ہے کہ نہیں کرتا؟ (سورہ دہر ۲)

خدا کی رحمانیت اور ربوبیت کا ایک اور کرشمہ دیکھئے۔ تمام لوگوں کے جسم میں پٹھے ہوتے ہیں جو وقتِ ضرورت رگوں کا منہ بند کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک طالب علم پڑھ رہا ہے۔ اس وقت اس کے دماغ کو خون کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور پیٹ کو کم خون چاہئے ہوتا ہے۔ اس لئے پیٹ کی رگوں کے منہ از خود بند ہو جاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ خون دماغ کی طرف چلا جاتا ہے۔ جب رات کو اگر ہم کوئی آہٹ محسوس کرتے ہیں تو فوراً سانس روک کر پھیپھڑوں کا خون کان اور دماغ کی طرف بھیجتے ہیں تاکہ آہٹ کی حقیقت معلوم کر سکیں۔

ہمارا دماغ کھوپڑی کے مضبوط قلعے میں پانی کے اندر تیر رہا ہے۔ اس پانی کا فائدہ یہ ہے کہ اچھل کود سے دماغ، کھوپڑی کی دیواروں سے نہیں ٹکراتا۔

خدا کی ربوبیت و رحمانیت کی ایک اور شان

اس نظام میں کبھی کوئی غلطی بد نظمی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اس نظام کو دیکھ کر انسان کا تخیل کپکپا اٹھتا ہے۔

پھر عالمِ نباتات میں کس قدر تنوع variety پایا جاتا ہے۔ لاکھوں قسم کے پودے ہیں۔ ہر ایک کی شکل صورت، رنگ، خصوصیات، ذائقہ الگ الگ ہے۔ پھر یہ سارے کے سارے پودے بے رنگ بے ذائقہ پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر کس قدر رنگ اور حسن لئے ہوئے ہیں۔ کس قدر حسن و جمال رکھتے ہیں اور ہماری غذا کا سامان بھی ہیں۔ زندگی کی بقا کا سبب بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ہم نے حسن و جمال پیدا کیا۔ اس طرح کہ ہر چیز کو درست بنایا، ہر چیز کو پیدا کر کے اس کو ایک خاص دستورِ عمل دیا۔ پھر چراگاہیں اور مرغزار اگائے"۔ (سورہ اعلیٰ ۴)

دنیا میں جتنے آرٹسٹ آپ دیکھیں گے تو ان کے پاس بے شمار رنگ ہوتے ہیں جو وہ اپنے برش میں لگا لگا کر رنگین تصویریں بناتے ہیں۔ یہ کیسا عجیب آرٹسٹ ہے جو بے رنگ اور بے ذائقہ پانی سے طرح طرح کے رنگین پھل پودے سبزیاں اور ذائقے پیدا کیے چلا جا رہا ہے۔ کھرب در کھرب پودے پھل سبزیاں پیدا ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ جن کے رنگ خصوصیات سب مختلف ہیں، شکل و صورت بھی مختلف ہے۔ ذائقے اور فوائد بھی مختلف ہیں! (سبحان اللہ)

سورۂ فاتحہ......ایک اور زاویہ

سید محمد رضوی

الحمدللہ رب العالمین

اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقیت کو دیکھ کر انسان صرف تعریف ہی کر سکتا ہے۔ Improvement' Suggestion یا Comment نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ 'الحمداللہ'' کہا۔ اس کی ذات کا اقرار کرنا اس کی زبردست تخلیق پر صرف اس کی تعریف کرنا ہے۔

پہلی ہی آیت انسان کی فکر کو اس دنیا کی فکر سے بلند کر دیتی ہے جب وہ یہ کہتا ہے ''رب العالمین'' جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

انسان صرف اس ایک دنیا ہی کو ابھی تک مکمل طور پر نہ جان سکا نہ سمجھ سکا۔ نہ ہی مخلوقات کی تعداد اور اقسام کا بالکل صحیح اندازہ لگا سکا۔ ان کو مکمل طور پر جاننا تو دور کی بات ہے۔ اس دنیا کی اتنی وسعت جو انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے اس کے باوجود اللہ کی معرفت کی پہلی ہی آیت انسان کی فکر کو اس سے بھی بلند کر دیتی ہے۔ اس جیسے یا نہ معلوم اس سے بھی بہتر کتنے عالمین ہیں جو نہ صرف تخلیق ہوئے بلکہ پل بھی رہے ہیں۔ یہاں تعریف صرف تخلیق کی نہیں ہے تخلیق کے بعد پالے جانے کی ہے۔ Sustain رکھنے کی ہے۔

تمام انسانی ایجادات Evolve ہوئیں۔ چھوٹی سے چھوٹی ایجاد کا پہلے ایک ماڈل آیا پھر دوسرا۔ چیزیں تبدیل ہوتی چلی گئیں آگے بڑھیں اور پچھلی ناقابل

استعمال ہو گئیں جیسے گاڑی کے پرانے ماڈل اب استعمال کے قابل نہیں۔ جہازوں، حتیٰ کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز جیسے سلائی مشین یا فون وغیرہ تک اپنے استعمال کے اعتبار سے بہتر ہو گئے اور اب پرانی چیز کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ نہ ہی کوئی استعمال ہے۔

یہ اس لئے ہوا کہ جیسے جیسے علم بڑھا، چیزیں بہتر ہوتی چلیں گئیں لیکن اللہ کی کائنات، زمین، پتھر، درخت، انسان، پہاڑ کروڑ ہا کروڑ سالوں سے اپنی اس نوعیت پر قائم ہیں، انسان کا بنیادی ڈھانچہ اور جسمانی نظام سب کے سب ویسے ہی ہیں، اور نہ صرف ویسے ہیں بلکہ ہر دور میں ان کا الگ طرح استعمال کیا گیا اور اس کی اہمیت وقت کے اعتبار سے بدلتی رہی۔

یہ اس لئے ہوا کیونکہ خالق نے پورے اور مکمل علم کے ساتھ نہ صرف تخلیق کیا بلکہ اس کو قائم رکھا۔ جیسے پہلے زمانوں میں پانی صرف پینے اور آب پاشی کے لیے استعمال ہوا۔ پھر اس کو دفاع کے لئے استعمال کیا گیا، پھر بجلی بنانے کے لیے استعمال کیا گیا اور تجارت اور سفر کے لیے استعمال کیا گیا۔

زمین کو پہلے حقیر سمجھا جاتا تھا، بے قیمت لیکن آج Investment سمجھا جاتا ہے۔ زرخیز زمین سے دولت کمائی جاتی ہے۔ زمین سے معدنیات حاصل کر کے انسان کہاں سے کہاں پہنچ گیا، پہاڑوں کو یعنی پانی ذخیرہ کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھا جانے لگا، سیاحت کا مقام بن گیا۔

جنگلوں کو درختوں کو بے قیمت سمجھا جاتا تھا۔ اب ایک ایک پودے کی حفاظت کی جاتی ہے قیمت لگائی جاتی ہے۔ یوں اللہ کی تخلیق جو اس نے اپنے علم کی بنیاد پر برقرار رکھی، پالے رکھی۔ اس میں کسی بنیادی تبدیلی Modification کی ضرورت

نہیں پڑی۔اس نے انسان کو اپنے جدید تقاضوں سمیت بھی اپنے اندر ہی سجالیا۔اس لئے انسان اس ماحول،اس Frame Wor کی صرف تعریف ہی کرسکتا ہے وہ بھی ناقص۔

کسی بھی تخلیق کو برقرار رکھنا اس کی تخلیق سے زیادہ مشکل کام ہے،اس کے لیے اس کے خالق کا Sustain رہنا بہت ضروری ہے کیونکہ ایک چیز کو پالنے کے لئے اس چیز کو باقی رکھنے والی چیزوں کا مسلسل اور بروقت مہیا ہونا ضروری ہے اس لئے ایک چیز کو باقی رکھنے کے لئے بہت ساری دوسری چیزوں کو نہ صرف تخلیق کرنا بلکہ ان کا مسلسل مہیا رکھنا ضروری ہے۔اسی لئے خالق کا خود اپنے پورے علم اور طاقت کے ساتھ باقی رہنا لازمی ہے ورنہ نہ ضروریات پوری ہوں گی اور نہ کوئی چیز بچے گی۔

کسی چیز کو پالنے کے لئے وہ ذات کسی دوسری ذات یا ہستی کی محتاج نہیں ہے جیسے ایک انسان اگر اچھی گاڑی بناتا ہے تو وہ محتاج ہے دوسرے Associated لوگوں کے علم کا کہ وہ ایسی سڑک ایسی Seats وغیرہ بنائیں جو اس کی Technology کے مطابق ہو جبکہ اللہ خود اپنی ذاتی طاقت وقدرت پر تمام عالمین کو باقی رکھے ہوئے ہے۔

ہم کہتے ہیں:''السلام علیک یارسول اللہؐ ''یعنی آپؐ پر ہمارا سلام ہو یعنی آپؐ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں جبکہ ہم اللہ کے لئے''السلام علیک یا اللہ''نہیں کہتے کیونکہ اللہ کو کسی رحمت کی کوئی احتیاج نہیں ہے جبکہ رسولؐ ایک مخلوق ہے عبد ہے۔ایک مخلوق اپنے خالق کو اور ایسے زبردست خالق کو جس کو کسی چیز کی احتیاج نہ ہو صرف تعریف کا ہی تحفہ دے سکتی ہے۔

مالکِ یوم الدین

"روز جزا کا مالک ہے"

مالک تو وہ تمام عالمین کا بھی ہے لیکن لفظ مالک سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ اس دن ہر ایک فیصلہ مالک کی حیثیت سے کرے گا کوئی اس کو Challenge نہیں کرسکتا۔ مالک وہ عالمین کا ہے لیکن روز جزا سے پہلے اس نے اپنے آپ کو عالمین کا پالنے والا کہا، باقی رکھنے والا۔ اس لئے وہ روز جزا سے پہلے وہ مالک کی حیثیت سے فیصلے نہیں کر رہا بلکہ سب کو پال رہا ہے باقی رکھتا ہے ایک خاص وقت کے لیے۔

اھدنا الصراط المستقیم

ہماری ہدایت کر یا ہمیں قائم رکھ سیدھے راستے پر

ایک تو راستہ اور وہ بھی سیدھا۔ کسی بھی منزل پر پہنچنے کے لئے راستہ تلاش کرنا یا اختیار کرنا ضروری ہے یا کسی بھی خواہش کی تکمیل کے لیے راستہ اختیار کرنا یا کوشش کرنا، ترکیب کرنا ضروری ہے۔ جیسے روزی کمانا، روزی کمانا مشکل ہے تجارت، نوکری وغیرہ راستہ ہیں۔ منزل تو اہم ہے ہی۔ اللہ بتا رہا ہے کہ صحیح راستہ یا ذریعہ بھی اختیار کرنا ضروری ہے اور اللہ کا راستہ سیدھا ہے۔

Straight ہونے کے فوائد

۱۔ کسی بھی دو نقطوں کے درمیان سب سے چھوٹا راستہ صرف سیدھا ہوتا ہے۔ یعنی سیدھا راستہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے اور سب سے آسان ہوتا ہے۔

۲۔ انسان کو آسانی سے سمجھ آجاتا ہے۔

۳۔ سیدھی لائن یا Straaight line کی Definition یہ ہے کہ ایسے لفظوں کا مجموعہ (لائن) جس کا ہر نقطہ اپنے پہلے نقطے سے اس angle پر ہو جس پر اس سے پہلے والا نقطہ ہے اس کو کہتے ہیں۔ Straight Line اب اللہ کا راستہ سیدھا ہے۔

اس سے مندرجہ ذیل معانی نکل سکتے ہیں۔

ا۔ یعنی اس دین کی بنیاد پہلے دن سے ایک ہی حقیقت پر مبنی ہے اسی لئے پچھلے نبیؑ کی تصدیق بھی کرتا ہے اور پیغام بھی وہی لے کر آتا ہے۔

۲۔ اللہ نے اپنے دین کو راستہ کہا۔ راستہ پر جب آدمی چلتا ہے تو اس میں ہر آن منزل کی طرف ترقی ہوتی ہے۔ Stagnant نہیں ہوتا یعنی دین پر عمل کرنا ہر آن انسان کو معبود کی طرف بڑھاتا ہے روکتا نہیں ہے۔

۳۔ اس دین سے چھوٹا راستہ یا Short Cut اللہ تک پہنچنے کا ممکن نہیں ہے کیونکہ سیدھا راستہ ہی سب سے چھوٹا راستہ ہوتا ہے۔

ہمیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرنا کے بعد یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر نعمتیں نازل کیں اور ان کا نہیں جن پر غضبناک ہوا۔ یہ اس لئے کہ ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے ہو سکتا ہے کسی ٹیڑھے راستے کو سیدھا سمجھ رہے ہوں۔ جیسے ہم کسی بھی لائن کو Free Hand Draw کریں تو سیدھی معلوم ہوتی ہے آنکھ کو لیکن جب Scale سے دیکھتے ہیں یا Scale ساتھ رکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے بہت ٹیڑھی ہے۔ اس لئے دعا کی کہ ہم کمزور ہیں ٹیڑھے کو سیدھا سمجھ سکتے ہیں ہم میں اتنی بھی طاقت نہیں ہم عاجز ہیں لیکن تو ہمیں بچالینا اور صرف نعمت والوں کے راستے پر قائم رکھنا اور اپنی نعمت والوں کو ہدایت فرمانا کہ ہم غلط راستوں سے بچ کر بالکل سیدھے راستے پر قائم رہ سکیں۔

سورۂ فاتحہ کی صرف ایک آیت کا مطالعہ جدید علوم کی روشنی میں

الحمد للہ رب العالمین

محمد علی سیّد

سورہ فاتحہ کی یہ آیت یعنی ''الحمد للہ رب العالمین'' جس دور میں نازل ہوئی، اس زمانے میں دنیا کے کسی علمی معاشرے میں کائنات کے لامحدود ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ یونان اور ہندوستان، مصر اور عراق کے بعض علاقوں میں سورج چاند ستاروں کی پوجا کی جارہی تھی۔ لفظ ''عالمین'' کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بے شمار عالموں اور لاتعداد دنیاؤں کی موجودگی کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ اس لامحدود کائنات کا مالک، خالق اور رب اللہ ہے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ کیسا ہے، کیا ہے لیکن ہم اسے اس کی مخلوقات اور ان مخلوقات میں اس کی خالقیت' صناعیت اور ربوبیت کے ذریعے ''محسوس'' ضرور کر سکتے ہیں۔ تو آیئے دیکھتے ہیں کہ عالمین کیا ہے؟

عالمین کیا ہے؟

پندرہ سو برس پہلے کے انسان صرف زمین، سورج، چاند اور ستاروں ہی کو عالمین سمجھتے تھے۔ عالمین یا کائنات کی وسعت اور پھیلاؤ کا انہیں اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

جب انہوں نے رب العالمین اور رحمت العالمینؐ کی اصطلاحیں سنیں تو ان کی عظمت، بڑائی، اقتدار، حکومت اور اختیارات کا تصور بھی ان کے لئے مشکل تھا۔ اللہ اور اس کے نبیؐ کی عظمت کا اندازہ صرف انہی کو ہو سکا جنہوں نے اللہ اور اس کی عظیم

سلطنت کا مشاہدہ کئے بغیر آنحضرتؐ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ وہ عظیم انسان یقیناً یہ حق رکھتے ہیں کہ قیامت تک آنے والی تمام انسانی نسلیں ان کے جذبہ ایمانی کو سلام کرتی رہیں۔

میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ پندرہ سو برس پہلے کے انسان کے لئے اللہ کی نشانیاں اتنی واضح نہیں تھیں جس قدر کہ آج ہمارے دور میں اللہ نے اپنی آیات ہم پر واضح کی ہیں۔ آج کا انسان دوسرے سیاروں تک پہنچ رہا ہے اور وہاں سے اس زمین کو ایک چھوٹی سی گیند کی مانند دیکھ رہا ہے۔ آج انسان کو یہ مواقع حاصل ہیں کہ وہ چاہے اور کوشش کرے تو روزانہ اللہ کی نت نئی آیات کا مشاہدہ کرتا رہے۔ اللہ کی یہ نشانیاں خود اس کے اندر بھی موجود ہیں اور اس کے وجود سے باہر بھی۔

''ہم عنقریب انہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں آسمان کے کناروں میں دکھلائیں گے اور خود ان میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔''

(سورہ فصلت: آیت ۵۳)

آج کے خلائی دور میں طاقتور ریڈیائی دوربینوں، مختلف ستاروں اور سیاروں کے گرد چکر لگانے والے مصنوعی سیاروں اور خلا میں تحقیق کرنے والی سیٹلائٹس نے کائنات کا مشاہدہ کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عالمین یا کائنات لاانتہا، لامحدود اور مسلسل وسعت پذیر ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہمارا نظام شمسی جس کہکشاں سے وابستہ ہے اس

کہکشاں میں کم از کم سوارب ستارے موجود ہیں۔ یہ ننھے منے ستارے جن سے پندرہ سو برس پہلے کے صحرانشیں اور سمندروں کا سفر کرنے والے راستوں کی تلاش میں مدد لیا کرتے تھے اور ان کی خلقت کا صرف یہی مقصد سمجھتے تھے' ان ''ننھے منے'' ستاروں میں سے بیشتر اتنے بڑے ہیں کہ ہماری زمین جیسی لاکھوں زمینیں اور ہمارے سورج ایسے ہزاروں سورج صرف ایک ستارے میں گم ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ ستارے زمین سے ٹارچ کے ننھے سے بلب کی طرح نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ اتنے بڑے ہیں کہ ہمارا سورج ان کے سامنے بجھے ہوئے چراغ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

ہماری کہکشاں جسے دودھیا کہکشاں (milky way) کہا جاتا ہے ایک اوسط سائز کی کہکشاں ہے۔ ہم سے قریب ترین ایک کہکشاں اینڈرومیڈا (andro meda) کہلاتی ہے۔ اس کہکشاں میں دوسوارب سے زیادہ ستارے موجود ہیں اور ہر ستارہ اپنی جگہ ایک سورج ہے۔ جس کا اپنا الگ نظام شمسی اور سیارے ہیں۔ اس طرح کی کم و بیش دس کھرب کہکشائیں کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں' جنہیں دیکھا جا چکا ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کائنات میں موجود کہکشاؤں کی تعداد سو کھرب سے زیادہ ہے۔

بہت سے لوگ ان حقائق کو پڑھ کر مغرب کی سائنسی ترقی سے متاثر ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اللہ رب العالمین کی اس عظیم سلطنت کو دیکھ کر لرزہ براندام ہو جاتے ہیں کہ جس بادشاہ کا ملک اتنا بڑا ہے تو خود وہ بادشاہ کس قدر صاحب قوت و اختیار ہوگا۔ ایسے لوگ جب اللہ سے مانگنے کھڑے ہوتے ہیں تو مانگنے میں ہچکچاتے نہیں۔ سوال کرنے میں سستی و بددلی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ سب کچھ اور جو کچھ مانگنا ہوتا ہے

اسی سے مانگتے ہیں اور اپنے تمام معاملات و مسائل اسی کے حوالے کر کے بے فکر ہو جاتے ہیں۔

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا ارشاد ہے:

''اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے اس سے سب سے زیادہ سوال کرنے والے ہیں۔''

وسعت کائنات کے سلسلے میں حضرت امام باقر علیہ السلام (ولادت ۵۷ھ۔ شہادت ۱۱۴ھ) کا ارشاد ہے:

''تمہارے اس سورج کے آگے چالیس (یعنی بے شمار) سورج اور ہیں اور ایک سورج سے دوسرے سورج کے درمیان چالیس (یعنی بے شمار) برس کی راہ ہے اور تمہارے اس چاند کے آگے چالیس چاند اور ہیں ایک چاند سے دوسرے چاند کے درمیان چالیس برس کی راہ کا فاصلہ ہے۔ ان سورجوں اور چاندوں میں بہ کثرت مخلوق آباد ہے جسے اس کی خبر بھی نہیں کہ اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا ہے یا نہیں۔'' (بصائر الدرجات)

نوٹ: امامؑ نے سورج اور چاند کے لئے ''تمہارے'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی امامؑ کا تعلق صرف اسی نظام شمسی سے نہیں، ان کا دائرہ امامت دوسری زمینوں، سیاروں، ستاروں، کہکشاؤں اور حیات کی دوسری قسموں تک بھی پھیلا ہوا ہے۔ چالیس سے مراد چالیس نہیں ہے۔ عربی محاورے کی زبان میں جہاں بہ کثرت کہنا مقصود ہو وہاں اکثر چالیس کہا جاتا ہے۔

....

یہ فاصلے ممکن ہے کئی دوستوں کو تصوراتی معلوم ہوں تو جناب آج کے سائنسی

حقائق یہ ہیں کہ سورج ہماری زمین سے چودہ کروڑ چھیانوے لاکھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔اس کی روشنی تین لاکھ کلومیٹر (ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل) فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر طے کرنے کے باوجود آٹھ منٹ بیس سیکنڈ میں زمین تک پہنچتی ہے جب کہ خلاؤں میں سورج سے قریب ترین ستارے تک پہنچنے میں اس روشنی کو چار سال چار مہینے لگ جاتے ہیں۔

سورج اور زمین کا فاصلہ کائناتی فاصلوں کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ کائنات میں بکھری ہوئی کھربوں کہکشاؤں میں سے اگر ایک اوسط درجے کی کہکشاں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے کے لئے روشنی کی رفتار یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کیا جائے تب بھی دوسرے سرے تک پہنچنے کے لئے ایک لاکھ سال کی مدت درکار ہوگی۔

آج کی جدید خلائی سائنس بھی کائنات کی وسعت کا اندازہ لگانے میں ناکام ہے کیوں کہ جدید دوربینیں اور آلات بھی کائنات کی وسعتوں میں ابھی تک صرف تین سو ملین نوری سال کے فاصلے تک دیکھ سکے ہیں۔اس فاصلے کے اختتام پر انہیں روشنی اور توانائی کے عظیم مراکز نظر آتے ہیں جنہیں ''کوازرز'' کا نام دیا گیا ہے۔اس کے آگے کیا ہے ابھی کسی کو نہیں معلوم۔

پہلے زمانے کے لوگ ان باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے لیکن کیا کیا جائے کہ آج دنیا بھر کے خلائی اور سائنسی تحقیقاتی ادارے مجبور ہیں کہ قرآن اور چہاردہ معصومینؑ کے پندرہ سو برس پہلے کے ارشادات کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ٹھوس حقائق اور

واضح دلیلیں تلاش کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں۔

اب اگر ہم رب السمٰوات والارض کی بنائی ہوئی کھربوں کہکشاؤں اربوں ستاروں اور سیاروں، چاندوں، سورجوں، زمینوں اور ان سب کے درمیان ناقابل تصور مسافتوں کا تصور کر سکیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس عظیم کائنات کے مقابلے میں ہماری اس زمین کی حیثیت ایک خردبینی جرثومے، ایک وائرس سے بھی کم تر ہے۔ یہ وائرس اگر ہزاروں کی تعداد میں یکجا ہوں تو سوئی کی نوک جتنی جگہ میں بہ آسانی سما سکتے ہیں۔

....

اگرچہ زمین ہماری کہکشاں کا ایک اہم حصہ ہے۔ سیٹلائٹس کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق اس کا کل رقبہ انیس کروڑ انہتر لاکھ اکیاون ہزار مربع میل ہے۔ اس میں سے خشکی کا رقبہ پانچ کروڑ بہتر لاکھ انسٹھ ہزار مربع میل ہے جبکہ تیرہ کروڑ چھیانوے لاکھ بانوے ہزار مربع میل پر سمندر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا وزن ایک اندازے کے مطابق ۶۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ میٹرک ٹن ہے۔ زمین اپنے مدار پر تیئس گھنٹے چھپن منٹ چار اعشاریہ نو سیکنڈ میں گردش مکمل کرلیتی ہے۔ سورج کے گرد اس کی گردش تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے نو منٹ اعشاریہ چھپن سیکنڈز میں مکمل ہوتی ہے۔ زمین اپنے مدار پر آٹھ سو کلومیٹر (پانچ سو میل) فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے جب کہ خلا میں سورج کے گرد یہ اسی ہزار کلومیٹر (پچاس ہزار میل) فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہی ہے۔ اس کی عمر کا اندازہ ساڑھے چار ارب سال لگایا گیا ہے۔ زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ چودہ لاکھ میل یعنی چودہ کروڑ چھیانوے لاکھ کلومیٹر ہے۔ (یہ فاصلہ کم زیادہ ہوتا رہتا ہے) لیکن عظیم ترین کائنات کے مقابلے میں زمین کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ تو ہماری زمین کی حیثیت ہے۔پھر اس وائرس سائز زمین پر ہم اور آپ جیسے انسان کیا حیثیت رکھتے ہیں! آپ اس کا خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔شاید منفی زیرو زیرو اور بے شمار زیرو۔

"بے شک انسان پر ایک ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا کہ ہم اسے آزمائیں تو ہم نے اسے سنتا، دیکھتا بنایا اور اسے راستہ بھی دکھا دیا۔اب وہ خواہ شکرگزار بنے یا ناشکرا۔" (سورہ دہر: آیت ۱ تا ۳)

لیکن آپ خود غور فرمائیں کہ ہماری اس نا قابل بیان حد تک کم تر حیثیت کے باوجود اللہ رب العالمین نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا، ہمیں بہترین تخلیق قرار دیا۔ہمیں ہمیشہ کی زندگی عطا کی (خواہ وہ دنیا میں گزرے یا جنت یا جہنم میں) اور ہمیں زمین پر بھیجنے سے پہلے اس کرہ ارض کو اپنی نعمتوں اور ہماری ضروریات زندگی سے بھر دیا۔

"اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا تو اس سے باغ (کے درخت) اگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا بور باہم گتھا ہوا ہوتا ہے۔یہ سب کچھ بندوں کو روزی دینے کے لئے (پیدا کیا) اور (پانی ہی سے) ہم نے مردہ شہر (افتادہ زمین) کو زندہ کر دیا اور اسی طرح (قیامت میں مُردوں کو) نکلنا ہوگا۔

(سورہ ق: آیت ۹ تا ۱۱)

یہ ہے اللہ کی ربوبیت' انسان ہی نہیں تمام مخلوقات کے لیے۔

رب العالمین نے ہمیں کن نعمتوں سے نوازا ہے؟

ہمارا ایمان ہے کہ اگر دنیا کے سارے سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درختوں سے قلم بنا لئے جائیں اور سارے انسان اور تمام جن مل کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی فہرست مرتب کرنا چاہیں تب بھی وہ اللہ کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے۔ زمین کی گہرائی سے لے کر آسمان کے کناروں بلکہ کائنات کے آخری کناروں تک کوئی جگہ اس کی نعمتوں سے خالی نہیں اور ہر چیز کے فائدے کا رخ انسان ہی کی جانب ہے۔ مثلاً گھاس پھونس اگرچہ براہ راست انسان کے لئے نہیں ہے۔ یہ جانوروں کا چارا ہے۔ جانور اسے کھا کر زندہ رہتے ہیں لیکن اس گھاس پھونس کا سب سے قیمتی جوہر، دودھ، گوشت اور کھال کی شکل میں انسان ہی کو ملتا ہے۔ پھر اس گھاس کی وجہ سے زمین کی سرسبزی، رنگ بدلتے موسم، آنکھوں کی تراوٹ اور مختلف ادویات کا حصول الگ۔

> "خدا ہی ایسا (قادر و توانا) ہے جس نے سارے آسمان و زمین پیدا کر ڈالے اور آسمان سے پانی برسایا پھر (اس کے ذریعے) تمہاری روزی کے واسطے (طرح طرح) پھل پیدا کیے اور کشتیاں تمہارے بس میں کر دیں تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور تمہارے واسطے ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور سورج اور چاند کو تمہارا تابعدار بنا دیا کہ سدا پھیری کیا کرتے ہیں (یعنی کروڑوں سال سے ایک مقررہ وقت پر طلوع غروب ہوتے رہتے ہیں) اور رات اور دن کو تمہارے قبضے میں کر دیا اور

جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس میں سے بہ قدر مناسب تمہیں دیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو گن نہیں سکتے۔" اس میں شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں یہ ضرور ارشاد فرمایا ہے کہ تمام انس و جن مل کر بھی میری نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے لیکن اس نے نعمتوں کے شمار کرنے کو منع کہیں نہیں کیا۔ جتنی نعمتیں ہم اور آپ شمار کر سکتے ہیں انہیں شمار کرنے میں کیا حرج ہے! نعمتوں کو یاد کرنا، ان پر غور کرنا اور پھر ان پر شکر گزار ہونا تو ہماری اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔

"یہ اس کے سمجھنے کے لئے ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے۔" (سورہ فرقان)

"اور اس لئے بھی کہ اگر تم ناشکری کی تو اللہ بھی تم سے بالکل بے پروا ہے اور اپنے بندوں سے کفر اور ناشکری کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر (ادا) کرو گے تو وہ اسے تمہارے واسطے پسند کرتا ہے۔" (سورہ: الزمر آیت ۷)

تو آیئے اللہ کی دی ہوئی صرف چند نعمتوں کو گننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ ہماری یہ کوشش ناکام ہوگی لیکن کوشش کر کے دیکھنے میں کیا حرج ہے!

صرف زمین پر موجود اس خالق حقیقی کی جاندار مخلوق کو ٹیکنالوجی کی ترقی اور جدید ترین سائنسی آلات کے باوجود مکمل طور پر شمار نہیں کیا جا سکا۔ بہر حال اب تک کی تحقیقات کے مطابق زمین پر جانداروں کی ایک کروڑ سے زیادہ اقسام (تعداد نہیں) دریافت کی جا چکی ہیں جبکہ پودوں اور نباتات کی دریافت شدہ اقسام (تعداد

نہیں) ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ ہیں اور دونوں میں ہر سال سیکڑوں نئی دریافت شدہ نباتات اور سیکڑوں جانداروں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

"اللہ ہی نے زمین پر چلنے والے (جان داروں) کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں سے بعض تو پیٹ کے بل چلتے ہیں (رینگنے والے جانور) اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں (مثلاً انسان اور پرندے) اور بعض ان میں سے چار پاؤں پر چلتے ہیں (یعنی چوپائے) اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (النور: آیت ۴۵)

پھر یہ نرم و گداز، سخت اور پتھریلی زمین، زرخیز مٹی، دھاتیں، معدنیات مختلف اقسام کی گیسیں، پھر ان دھاتوں، معدنیات اور گیسوں میں ایک دوسرے سے اختلاط کی صلاحیت اور ان کے باہم مل جانے سے دوسری معدنیات، دھاتوں، گیسوں اور لاتعداد اشیاء کا ظہور۔

آپ اس وقت کہیں بھی ہوں ذرا اپنے چاروں طرف نظر دوڑایئے! آپ کو حدِ نظر تک کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جو انسان نے پیدا کی ہو۔ نظر آنے والی ہر شے ہمیں زمین ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ ہر چیز کبھی زمین میں تھی، آج وہ کسی اور شکل میں آپ کے سامنے ہے اور آپ اللہ کی اس نعمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

"کیا تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ یقیناً اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم (اللہ) نے اس (کے ذریعے) طرح طرح کے رنگوں کے پھل پیدا کیے اور پہاڑوں میں قطعات ہیں جن کے

رنگ مختلف ہیں۔ کچھ تو سفید اور کچھ لال اور کالے سیاہ۔"

(سورہ فاطر: آیت ۲۷)

پھر لاتعداد غیر مرئی طاقتیں، ایٹمی توانائی، لیزر شعاعیں، سورج کی توانائی الٹراوائیلٹ ریز، ریڈیائی لہریں، الفابیٹا لہریں، ایکس ریز، کتنی اجناس، کتنے پھل، حلال جانوروں کا غذائیت سے بھرپور گوشت۔

"کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے ان کے فائدے کے لئے چوپائے اس چیز سے پیدا کئے جسے ہماری ہی قدرت نے بنایا۔ یہ لوگ (خواہ مخواہ) مالک بن گئے۔" (سورہ یٰس: آیت ۷۱)

سمندروں سے حاصل ہونے والی غذائیں، لحمیات، نمکیات اور لاکھوں غذائیت بخش اجزا۔

"وہی تو وہ (اللہ) ہے جس نے دریاؤں (اور سمندروں) کو بھی تمہارے قبضے میں کر دیا تا کہ تم اس میں سے (مچھلیوں) کا تازہ گوشت کھاؤ۔ (سورہ النحل: آیت ۱۴)

طرح طرح کے لباس......

"اور اسی نے تمہارے کپڑے بنائے جو تمہیں (سردی) اور گرمی سے محفوظ رکھتے ہیں" (سورہ ق: آیت ۶)

آرام دہ جوتے، تیز رفتار سواریاں، گرمی اور سردی سے بچنے کے جدید ساز و سامان۔ یہ سب اللہ ہی نے تو پیدا کئے ہیں اور انسان کو ایسی صلاحتیں دیں کہ وہ ان

سب نعمتوں سے استفادہ کر سکے۔

"کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان پر نظر نہیں ڈالی کہ ہم نے اسے کیوں کر بنایا اور اسے (کیسی) زینت دی۔" (سورۂ ق: آیت ۶)

یہ نیلگوں آسمان' طرح طرح کی ہوائیں، بادل اور گھٹائیں، موسلا دھار بارشیں، آسمانی بجلی، دھنک، شفق، گھٹتے بڑھتے سائے.........

زمین کے اوپر موجود فضا کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ زمین سے قریبی حصے کو ٹروپوسفیر (TROPOSPHERE) کہا جاتا ہے۔ یہ فضائی کرہ خط استوا پر اٹھارہ کلو میٹر اور قطبین پر آٹھ کلو میٹر دبیز ہے۔ اس سے اوپر کی فضا اسٹارٹوسفیر STARTOSPHERE کہلاتی ہے۔ یہ اسّی (۸۰) کلومیٹر دبیز ہے۔ اوزون کی حفاظتی تہہ اسی میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد آئی نوسفیر IONOSPHERE ہے۔ شہاب ثاقب اسی جگہ جلنا شروع ہوتے ہیں۔ زمین کی سطح سے پانچ سو میل اور اوپر ایکسوزفیر EXOSOSPHERE ہے۔ یہاں ہوا کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ اس کے بعد لامحدود خلا شروع ہو جاتا ہے۔ ہوا کی زیادہ تر مقدار سطح زمین سے قریبی فضا ٹروپوسفیر میں پائی جاتی ہے۔ اس جگہ نائیٹروجن (۷۸ فی صد) آکسیجن (۲۱ فی صد) کاربن ڈائی آکسائیڈ، آرگن ار بعض دوسری گیسیں بہت معمولی مقدار میں پائی جاتی ہیں۔"

یہ رنگ بدلتے موسم، آگ، روشنی، تاریکی سائے، چاندنی، اور دھوپ، خزانوں سے بھرے سربہ فلک برف پوش، پہاڑ، دریاؤں سمندروں اور جھیلوں کی سطح سے اٹھتا، آسمان سے برستا میدانوں میں بہتا اور زمین میں انسانوں کے لئے اسٹور ہوتا آب حیات۔

"(اے رسول) تم کہہ دو کہ بھلا دیکھو تو کہ اگر تمہارا پانی زمین

کے اندر (زیادہ گہرائی میں) چلا جائے تو کون ایسا ہے جو

تمہارے لئے پانی کا چشمہ بہا لائے۔" (سورہ ملک: آیت ۳۳)

دریا، ندی، نالے، چٹانوں سے پھوٹتے چشمے، یہ جھاگ اڑاتا بحر ذخار جو خشکی سے تین گنا بڑا ہونے کے باوجود اپنی حدود میں مقید ہے۔

دنیا کا دو تہائی حصہ سمندر پر مشتمل ہے۔ صرف ایک تہائی حصے پر خشکی ہے۔ سمندر زمینی حیات کی بقا میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انہی کی وجہ سے موسم بدلتے ہیں، میٹھے پانی کی فراہمی انہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ انہی کی سطح پر تیرنے والے چند خلیوں پر مشتمل پلانکٹن (PLANEKTON) نامی خردبینی جاندار کرہ ارض کی آکسیجن کی ضروریات کی زیادہ تر مقدار تیار کرتے ہیں۔

یہ دل آویز مناظر، کھیتوں کی ہریالی باغوں کی مہکار دنیا میں آکسیجن پھیلاتے اور مضر صحت گیس کو جذب کرتے ہزاروں اقسام کے پیڑ............

"بھلا دیکھو تو جو کچھ تم بوتے ہو۔ کیا تم لوگ اسے

لگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔" (سورہ واقعہ: ۵۸، ۵۹)

میدانوں کی خوشبو صحراؤں کا سکوت شہروں کا شور صبح کاذب کا نور صبح صادق کا اجالا دھنک کے رنگ ہواؤں کی سرسراہٹ، پھولوں کی مسکراہٹ پرندوں کی چہکار گھنی بیلوں کے سائے دریاؤں کے کنارے سمندروں کے خزانے آسمانوں کی وسعتیں اوزون کی تہہ، زمین کو میلوں تک گھیرے ہوئے مختلف گیسوں کا سمندر اور کشش ثقل، جس کی وجہ سے خلا سے گرنے والے ستاروں کے ٹکڑے زمین تک پہنچنے

سے پہلے ہی جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔

آخر شب کی برکتیں، شام کے سناٹے، دن کے ہنگامے، آغوش مادر کی گرمی، باپ کا سایہ، بچوں کی قلقاریاں، یہ رشتے اور محبتیں، یہ چاہتیں اور شفقتیں، روشن ہوادار مکان، تیز رفتار ذرائع نقل وحمل، مواصلات کے جدید نظام، کروڑوں لائبریریاں، اعلیٰ تعلیم گاہیں، بیماریوں کے لیے لاکھوں دوائیں، تدریس اور تحقیق کے ادارے دوسرے سیاروں تک رسائی رکھنے والے خلائی ادارے۔ یہ تمام اشیاء اللہ جل شانہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں جو آج کے دور کے انسان کو بہ آسانی دستیاب ہیں یا وہ ان سے کسی نہ کسی طرح مستفید ضرور ہوتا ہے۔

ہر شئے کا خالق و مالک اللہ ہی ہے

پھر اللہ نے دنیا میں بے حد و حساب رنگ پیدا کیے اور ہمیں آنکھیں دیں۔ اس نے ناقابل شمار آوازیں اور سناٹے پیدا کیے اور ہمیں سماعتیں عطا کیں۔ اس نے لاتعداد ذائقے ایجاد کیے اور ہمیں قوت ذائقہ عطا کی۔ اس نے ناقابل شمار خوشبوؤں سے دنیا کو مہکایا اور ہمیں سونگھنے کے قابل بنایا۔ اس نے لاتعداد لمس پیدا کیے اور ہمیں محسوس کرنے کی استعداد عطا کی۔ اگر وہ ایک چیز پیدا کرتا ہے اور دوسری ہمیں نہ دیتا مثلاً رنگ ہوتے اور بصارت نہ ہوتی تو ہم کیا کر سکتے تھے!

ماہرین حیاتیات کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر مخلوق دوسری مخلوق سے رشتوں کی ایک ان دیکھی زنجیر میں بندھی ہوئی ہے۔ ہر مخلوق خود زندہ رہنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے بھی سامان زندگی فراہم کرتی ہے۔ مثلاً انسان جو غذائیں استعمال کرتا ہے۔ ان کی

کیمیائی ساخت اس طرح کی ہے کہ انسان کا جسم انہیں بہ آسانی استعمال کر سکے اور جزو بدن بنا سکے۔اس طرح خود انسان کے تمام اعضاء ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ بیرونی چیزوں سے بھی ہم آہنگی کا رشتہ رکھتے ہیں۔اگر انسانی جسم کو کسی اور خدا کے بنایا ہوتا اور دوسری اشیاء کو کسی دوسرے خدا نے خلق کیا ہوتا تو انسان آنکھ اور دماغ کے لیے ممکن نہ ہوتا کہ چیزوں کو اس شکل میں دیکھ یا سمجھ سکے جیسی کہ وہ ہیں۔

انسان'ایک زندہ معجزہ

یوں تو اللہ کی ہر مخلوق اس کی انوکھی، اچھوتی اور عقل کو ششدر کر دینے والی تخلیق ہے لیکن انسان کو اللہ تعالی نے اشرف المخلوقات کہا اور اسے تمام مخلوق پر فضیلت عطا کی۔امیر المومنین حضرت علی ابن طالب نے فرمایا کہ انسان کے جسم کے عالم اصغر میں ایک عالم اکبر چھپا ہوا ہے۔آیئے پہلے ان نعمتوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں جو کم وبیش ہر انسان کے پاس موجود ہیں۔یاد رہے کہ یہ تمام نعمتیں انسان کو مفت اور بے مانگے ملی ہیں۔

آپ غور کریں کہ جو مالک بے مانگے اتنی عظیم الشان نادر و نایاب، لاتعداد بے شمار نعمتیں اپنے بندوں کو دے سکتا ہے وہ مانگنے والوں کو کیا کچھ عطا نہیں کر سکتا!

انسان کی جسمانی ابتداء ایک خلیے (CELL) سے ہوتی ہے۔یہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ اسے دیکھنے کے لئے طاقتور خردبین کی ضرورت پڑتی ہے۔ایک بالغ انسان ایسے ہی سوٹریلین (100000000000000) خردبینی خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

یعنی دنیا کی موجودہ آبادی سے سترہ ہزار گنا زیادہ آبادی خود ہر انسان اندر موجود ہے۔ جتنی دیر میں آپ ایک مرتبہ پلک جھپکتے ہیں اتنی دیر میں کروڑوں خلیے اپنی زندگی پوری کر کے مر جاتے ہیں لیکن اتنی ہی دیر میں کروڑوں نئے خلیے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جلد کے خلیے ہر دس گھنٹے بعد نئے پیدا ہوتے ہیں اور ہر ستائیس دن کے بعد ہماری کھال مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح خون کے سرخ خلیے ایک منٹ میں دس لاکھ سے زیادہ مر جاتے ہیں۔ مگر اسی مدت میں دوسرے دس لاکھ خلیے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے تمام اعضاء پورا جسم اسی ''مخلوق'' یعنی خلیوں سے بنا ہے اور یہی خلیے پورے جسم کو نہ صرف زندہ رکھتے ہیں بلکہ اسے ہر لمحے ایک نئی زندگی عطا کرتے رہتے ہیں۔ یہ تمام خوردبینی وجود اپنی اپنی علیحدہ شناخت رکھتے ہیں اور اپنی پیچیدہ اور پراسرار ذمے داریوں سے بہ خوبی واقف ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم میں مختلف اقسام اور گروپس کی شکل میں رہتے ہیں اور ہماری صحت اور زندگی کو برقرار رکھنے کی عظیم ذمے داری کو سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ یہ خلیے اللہ کی مخلوق ہیں اور اشرف المخلوقات کی تشکیل کرتے ہیں۔

ان میں سے ہر خلیہ اللہ کی شان خلاقیت کا محیر العقول نمونہ ہوتا ہے۔ ہر خلیے پر اس کا DNA حکمرانی کرتا ہے اور DNA پر غالباً روح حکمراں ہوتی ہے۔ ہر خلیے میں زندہ رہنے کے لئے توانائی پیدا کرنے والے ایک ہزار توانائی گھر لحہ مصروف رہتے ہیں۔ خلیے میں چھ سو خامرے ہوتے ہیں۔ خامروں کو آپ کیمیادانوں کی ایک ٹیم سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ یہ ہضم شدہ کھانے کے مختلف اجزاء کو ایک پیچیدہ کیمیائی عمل سے گزار کر اسے آپ جسم کا حصہ بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر خلیے میں آب رسانی،

نکاسی، امپورٹ، ایکسپورٹ، سیکورٹی دفاع اور کمیونی کیشن کے ایسے "جدید ترین" نظام کام کرتے ہیں جن کے آگے آئندہ صدیوں کے سائنس دانوں کی عقلیں بھی محوِ حیرت رہیں گی۔

"عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ آفاق میں بھی اور خود ان میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یقیناً وہی حق ہے۔" (سورہ حٰم السجدہ)

ہر خلیے کے ننھے سے وجود میں ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ ہر خلیے کو زندہ رہنے کے لئے آکسیجن، پانی، حیاتین، گلوکوز، معدنیات، کاربوہائیڈریٹس، امینو ایسڈز، پروٹین، دھاتوں اور بے شمار دوسرے اجزاء ان اجزاء کے الگ الگ تناسب اور مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تمام اشیاء جسم کی دنیا اور خلیوں کی دسترس سے بہت دور ہوتی ہیں۔ ان کھرب ہا کھرب خلیوں کو "رزق کی فراہمی" دنیا کے تیز رفتار ترین سپلائی سسٹم سے لاکھوں گنا زیادہ جدید اور برق رفتار نظام کے ذریعے ہوتی ہے۔

اپنی اس مخلوق کو ان کے دروازے تک رزق پہنچانے کے لئے اللہ نے حیران کن انتظامات کئے ہیں۔ قدرت کے اس سپلائی سسٹم میں ۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰ ارب سے زیادہ کارکن شب روز کام کرتے ہیں۔ یہ کارکن خون کے سرخ خلیے ہیں۔ خون کے سرخ خلیے دل سے پمپ ہونے کے بعد صرف ڈیڑھ منٹ میں جسم کی تقریباً پچھتر ہزار میل لمبی خون کی چھوٹی بڑی نالیوں سے گزر کر ایک ایک عضو اور ایک ایک خلیے کو اس کی مطلوبہ خوراک پہنچاتے ہیں اور واپسی کے سفر میں یہی سرخ خلیے جسم کے ہر خلیے کی استعمال شدہ خوراک کا فضلہ (کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگر فاسد مادے) اپنے

ساتھ سمیٹ کر اسے متعلقہ اعضاء (پھیپھڑے، جگر، گردے) تک پہنچا دیتے ہیں جہاں سے یہ فاسد مادے جسم سے باہر خارج کردیے جاتے ہیں۔ سرخ خلیوں کا یہ پچھتر ہزار میل لمبا سفر صرف نوے سیکنڈ میں مکمل ہو جاتا ہے۔ رزق کی فراہمی کا یہ سلسلہ انسان کی پیدائش سے بھی پہلے شروع ہوتا ہے اور اس کی آخری سانس تک جاری رہتا ہے اور انسان اگر اپنی ہر سانس کے ساتھ صرف ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہے تو اپنی آخری سانس تک ادا نہیں کرسکتا۔

خلیوں کو رزق پہنچانے والی پائپ لائن (خون کی نالیوں) کی لمبائی کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اگر خون کی ان تمام شریانوں اور وریدوں کو سیدھا کر کے ایک لائن میں رکھا جائے تو ان کی لمبائی اتنی ہوگی کہ پورے کرہ ارض کے گرد انہیں تین مرتبہ گھمایا جاسکتا ہے۔ گندے خون کو دل تک لے جانے والی شریانوں میں ایسے "والو" ہوتے ہیں جن کی وجہ سے خون کا ٹریفک صرف ون وے چلتا ہے۔

خون کے سرخ خلیوں کی عمر چار مہینے ہوتی ہے۔ خون کے مردہ خلیے جگر (LIVER) میں دوبارہ استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ ان کے ایک حصے سے عنصر عنفر اتیار کیا جاتا ہے جسے آنتیں غذا میں موجود چکنائی قابل ہضم بنانے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ باقی مردہ خلیوں سے دوبارہ نئے سرخ خلیے وجود میں آجاتے ہیں۔

ہمارے جسم کے اندر ہر لمحے زندگی اور موت کا کھیل جاری رہتا ہے۔ تیں پینتیس سال کے بعد روزانہ دماغ کے ایک ہزار خلیے مر جاتے ہیں۔ لاکھوں خلیے صرف ہاتھوں کو رگڑنے، نہانے اور کپڑے پہننے کے دوران جسم سے جدا ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں خلیے ہر لمحے اپنے طبعی عمر کو پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں مگر انسان اپنے جسم میں جاری

زندگی اور موت کے ان واقعات سے بے خبر ہی رہتا ہے کیوں کہ جتنے خلیے مرتے ہیں اتنے ہی نئے خلیے اس عرصے میں پیدا ہو چکے ہوتے ہیں (سوائے دماغ کے خلیوں کے) اگر خلیوں کی پیدائش کا یہ سلسلہ رک جائے انسان شاید چند ہی دنوں میں مشت خاک کی مانند ہوا میں تحلیل ہو جائے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انسان کی پیدائش ابھی رکی نہیں ہے۔ یہ عمل مسلسل جاری ہے اور تکمیل کے مرحلے تک جاری رہے گا جس طرح اللہ رب العالمین کے لفظ "کن" کی گونج پوری کائنات میں ابھی تک پھیل رہی ہے اس طرح یہ گونج ہر انسان کے جسم کی دنیا میں بھی ایک مدت تک پھیلتی رہے گی۔

عام طور پر انسان عقل و سمجھ آنے کے بعد ہی اللہ کی نعمتوں کا کسی قدر ادراک کرتا ہے اور ان نعمتوں سے بے خبر رہتا ہے جو اس کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی اسے ملنا شروع ہو جاتی ہیں۔ آیئے ان نعمتوں کا مختصر سا جائزہ لیں جن کے بغیر ہمارا اس دنیا میں آنا ہی ممکن نہیں تھا۔

ہماری پیدائش سے پہلے ہم پر اللہ کے احسانات اور اس کی ربوبیت

جب دو افراد یعنی میاں بیوی شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں تو فوری طور پر ان کے دلوں میں اولاد کی تمنا پیدا ہوتی ہے اور جیسے ہی امید بندھتی ہے تو گھر کے سب افراد کے چہروں پر خوشیاں بکھر جاتی ہیں کہ ایک ننھا منا مہمان گھر میں آنے والا ہے۔ یہ لوگ ماں کا خیال رکھنے لگتے ہیں۔ ماں کوشش کرتی ہے کہ اچھی غذا کھائے تاکہ آنے والا مہمان صحت مند اور خوب صورت پیدا ہو۔ انسان ماں کے پیٹ میں ایک لوتھڑے کی

مانند ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کے لئے اچھے سے اچھا لباس تیار ہو جاتا ہے گھر کے سب افراد دعا کرتے ہیں کہ آنے والا نارمل، صحت مند، طویل عمر اور نیک خصائل کا مالک ہو۔

رحم مادر میں انسان کی تخلیق بھی قدرت کا عقل کو ششدر کر دینے والا معجزہ ہے۔ مختصراً یہ کہ ماں اور باپ کے تیس تیس کروموسوم کے ملاپ سے ایک نیا خلیہ وجود میں آتا ہے۔ ایک نئی زندگی کی ابتداء ایک نئے انسان کے عدم سے وجود میں آنے کا آغاز۔ یہ نیا خلیہ وجود میں آتے ہی اپنی جیسی کاپیاں بنانا شروع کر دیتا ہے۔ ایک سے دو، دو سے چار پھر آٹھ، سولہ، بتیس چونسٹھ۔ اس طرح نو ماہ یا اس سے کم مدت میں ایک مکمل نیا انسان وجود میں آ جاتا ہے۔ یہ "ننھا منا انسان" پچاس کھرب خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

ہر خلیے کے اندر قدرت کا ایک اور حیران کن معجزہ اس کا DNA ہوتا ہے۔ یہ (DEOXY RIBO NUCLEIC ACID) مخفف ہے۔ DNA خلیے میں ایک دوسرے پر لپٹی ہوئی دو ڈوریوں کی مانند ہوتا ہے۔ بچے کے مستقبل کے لامحدود امکانات، ناقابل شمار اطلاعات، معلومات اور پروگرام اسی DNA میں اسٹور ہوتے ہیں۔ مثلاً بیماریاں، مزاج، کردار، خصوصیات، ماں، باپ، نانا، نانی، اور دادا، دادی کی جانب سے ملنے والی خصوصیات۔ قد وقامت، جلد، بالوں اور آنکھوں کا رنگ، یہ معلومات و پروگرام کوڈز کی شکل میں DNA پر موجود ہوتے ہیں۔

اللہ کی شان خلاّقیت اور بچے کی صورت گری

بچے کے جسم میں اعضاء کی تیاری، بناوٹ، تعمیر، تنصیب، کارکردگی، سروس کوالٹی، نشو ونما کی رفتار، ٹوٹ پھوٹ کی صورت میں مرمت، بیماریوں کی صورت میں جسم کی

دفاعی صلاحیت، یہ سب تفصیلات ہر خلئے کے DNA میں موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً جسم کا سب سے اہم "کیمیکل پلانٹ" یعنی جگر کس طرح ڈیزائن ہوگا، یہ کب مکمل ہوگا جسم کے کس حصے میں لگے گا اور کب کام شروع کرے گا، اس کی تعمیر کے لئے کس قسم کا خام مال درکار ہوگا، یہ خام مال کہاں سے، کتنا اور کس طرح حاصل کیا جائے گا، یہ سارا پروگرام اور اس کا بلو پرنٹ یعنی نقشہ DNA میں موجود ہوتا ہے۔ DNA کو آپ آرکیٹیکٹ سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کا کام عمارت کی تعمیر سے پہلے عمارت کا نقشہ یا بلو پرنٹ تیار کرنا ہوتا ہے۔

خلیے میں انجینئر کا کام RNA یعنی RIBO NUCLEIC ACID سرانجام دیتا ہے۔ RNA کوڈز کی شکل میں DNA پر موجود بلو پرنٹ "پڑھتا" ہے اور DNA کی زیر نگرانی تعمیر کا ابتدائی کام شروع کرتا ہے۔ مثلاً سب سے پہلے وہ ایک پروٹین کی تیاری شروع کردیتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اسے امائنو ایسڈ کے مختلف اجزاء کو جمع کرنا ہوتا ہے۔

RNA کے ماتحت ایک خلیے میں چھ سو اینزائمز (خامرے) کام کرتے ہیں۔ یہ خامرے خلیے کے کیمیادان کہلاتے ہیں۔ یہ خود تبدیل ہوئے بغیر غذائی اجزا میں ایسی کیمیائی تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں کہ وہ غذا انسانی جسم کا حصہ بن جاتی ہے۔ مثلاً ماں نے اگر مچھلی کا ٹکڑا کھایا ہے تو اینزائمز اس ٹکڑے سے پروٹین حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر وہ اس پروٹین میں امائنو ایسڈ کی ترتیب بدل کر انہیں دوسری ترتیب میں منظم کردیتے ہیں۔ ترتیب کی اس تبدیلی سے مچھلی کا گوشت انسانی گوشت بن جاتا ہے۔ یہ پروٹین ممکن ہے بچے کے دل کا پٹھا بننے میں استعمال ہو یا انگشت شہادت کو حرکت

کے قابل بنانے والے پٹھے میں کام آئے لیکن یہ جہاں بھی استعمال ہوگی DNA کے نقشے اور پہلے سے طے شدہ پروگرام ہی کے مطابق RNA کے احکامات کے تحت استعمال ہوگی۔

''وہی تو وہ اللہ ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورت جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی ہر چیز پر) غالب اور دانا (مطلق) ہے''۔

رحم مادر میں قدرت کا ایک اور عجوبہ پلاسینٹا (PLACINTA) نامی ٹیشو ہے۔یہ ٹیشو جسم کے باقی تمام ٹیشوز سے کہیں زیادہ پیچیدہ، پراسرار اور حیران کن خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔جیسے ہی رحم مادر میں بچے کی تخلیق کی ابتدا ہوتی ہے تو یہ ٹیشو فوراً کام شروع کر دیتا ہے۔ایکٹو (متحرک) ہونے کے بعد اس کا وزن دو پونڈ، رنگ سرخ اور سائز سات انچ کے قریب ہو جاتا ہے۔حیران کن بات یہ ہے کہ جب تک نوزائیدہ بچہ رحم مادر میں رہتا ہے اس وقت تک یہ ٹیشو بچے کے لئے وہ تمام پیچیدہ کام سرانجام دیتا ہے۔جو انسان کے پھیپھڑے، جگر، گردے، معدہ اور آنتیں انجام دیتی ہیں۔

اللہ کی ربوبیت، بچے کے پیدا ہونے سے پہلے

رحم مادر میں موجود گوشت کا ایک لوتھڑا اپنی غذا کی فراہمی اور رزق کی دستیابی کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا لیکن اس کا رب اس کا رزق بلا مانگے، بلا معاوضہ ہر لمحے اس تک پہنچا تا رہتا ہے۔بیرونی دنیا سے بچے تک رزق کی فراہمی ایک پائپ لائن کے ذریعے ہوتی ہے۔یہ پائپ لائن پانچ انچ سے لے کر چار فٹ تک لمبی ہو سکتی ہے۔اسے

''آنول نال'' کہا جاتا ہے۔ آنول نال دو شریانوں (ARTERIES) اور ایک ورید (VEIN) پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ ورید (VEIN) ماں کے خون میں موجود زندگی بخش اجزاء مثلاً وٹامنز' آکسیجن، معدنیات' کاربوہائیڈریٹس اور امائنو ایسڈ وغیرہ کو بچے تک پہنچاتی ہے۔ بچے کا جسم ان اجزا کو استعمال کرتا ہے اور ان کا فضلہ شریانوں (ARTERIES) کے ذریعے بچے کے جسم سے نکل کر پلاسینٹا (PLACENTA) نامی ٹیشو میں چلا جاتا ہے جہاں سے یہ ماں کے خون میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ بعد میں ماں کا جگر، گردے اور پھیپھڑے اس فضلے کے مختلف اجزاء کو مختلف انداز سے ماں کے جسم سے خارج کر دیتے ہیں۔

بچہ اگرچہ اس تمام عرصے میں ماں کے خون ہی کے ذریعے زندہ رہتا ہے لیکن حیران کن بات یہ کہ بچے کا خون' ماں کے خون میں شامل نہیں ہو پاتا اور ماں کا خون بچے کے خون میں شامل نہیں ہوتا۔ اگر ماں اور بچے کا خون ایک دوسرے میں شامل ہو جائے تو یہ حادثہ ماں اور بچے دونوں کے لیے جان لیوا ثابت ہوگا۔ بچے کی پیدائش کے بعد یہ ٹیشو غائب ہو جاتا ہے۔

ماں کے پیٹ میں آرام سے رہنے والا بچہ دھیرے دھیرے روپ بدلتا رہتا ہے۔ باہر کی دنیا میں جو غذائیں موجود ہوتی ہیں ان کا لطیف ترین جز و ماں کے ذریعے بے مانگے اس تک پہنچتا رہتا ہے۔

پیدائش کا وقت قریب آتا ہے تو سارے خاندان والے جمع ہو جاتے ہیں اور چھوٹے بڑے سب اس کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگتے ہیں۔ بہترین اسپتال' تجربہ کار ڈاکٹرز' آرام دہ سواری' جدید ترین آلات' دوائیں' لباس' روشنی' دھوپ'

مناسب گرمی اور سردی، محفوظ گھر دیکھ بھال کرنے والے، خیال رکھنے والے، سب کے سب پہلے ہی سے موجود ہوتے ہیں۔

بچہ دنیا میں آتا ہے تو دنیا کی سب سے نایاب غذا اس کے لئے پہلے سے تیار ہوتی ہے جو ماں کی محبت کی گرمی سے ہمیشہ تازہ بہ تازہ رہتی ہے۔ وہ ایک VIP کی مانند دنیا میں آتا ہے۔ ہر معاملے میں اسے ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کی ڈیمانڈ سب سے پہلے پوری کی جاتی ہے۔ پیدائش کے وقت بے شمار نعمتیں اس میں "بلٹ ان" ہوتی ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

غذا حاصل کرنے اور اسے استعمال کرنے کی صلاحیت، اپنی طرف متوجہ کرنے کی صلاحیت، دل، دماغ، عقل، دداشت، نسیان (بھول جانے کی صلاحیت) کھوپڑی، آنکھ، پلکیں، ناک، کان، ہونٹ، زبان میں ذائقوں کو پہچاننے کی صلاحیت، دانت جو بعد میں ظاہر ہو جاتے ہیں، چہرہ، رخسار، ٹھوڑی، گلا، غذا کی نالی، سانس کی نالی، سینہ، معدہ، آنتیں، پیٹ، بازو، کہنی، پنجہ، انگلیاں، ہتھیلیاں، ناخن، رانیں، کولہے، پنڈلیاں، گٹا، پاؤں، تلوا، ایڑیاں، گردن، ریڑھ کی ہڈی، پھیپھڑے، پسلیاں، جگر، تلی، اعضائے تولید، گردے، مثانہ، جسم کا ڈھانچہ، گوشت، چربی، کھال، بے شمار شریانیں، اعصاب، وریدیں، جسم کے مسامات، جسم کے درجہ حرارت کو کم یا زیادہ کرنے کی صلاحیت، نیند کا پراسرار نظام، ہڈیوں کا گودا، سننے، بولنے، سونگھنے، تکلیف اور راحت کو محسوس کرنے کی صلاحیت، خاندانی اثرات، نیک و بد میں تمیز کرنے کی صلاحیت، شعور، لاشعور، حرام مغز، کروڑوں خلیے بیک وقت تیار کرنے کی صلاحیت، بیماریوں سے مدافعت کا نظام، سفید خلیے۔ ایک مخصوص تناسب کے ساتھ بہت سے کیمیکلز، معدنیات، خاص وولٹیج کی برقی طاقت، تمام انسانی جسم کے درمیان پیغام رسانی کا مرکزی نظام جو دماغ کو فوری اطلاعات

فراہم کرتا ہے۔کھوپڑی سے پاؤں کے تلوؤں تک دوران خون کی گردش کو جاری رکھنے کا نظام'نظام ہاضمہ'نظام تنفس'ہارمونز اور ان سب سے بڑھ کر روح جو امر ربی ہے۔

"اے رسول تم کہہ دو کہ اللہ تو وہی ہے جس نے تم کو نت نیا پیدا کیا اور تمہارے واسطے کان، آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت کم شکرادا کرتے ہو۔" (سورہ ملک: آیت ۲۳)

ہمارے جسم میں اللہ رب العالمین نے اس قدر نعمتیں عطا کی ہیں کہ سائنس و ٹیکنالوجی کے اس دور میں بھی کوئی سپر کمپیوٹر ان تمام نعمتوں کو شمار نہیں کرسکتا۔ان میں سے ہر عضو ہر حصے، ہر صلاحیت کے بارے میں الگ الگ لاکھوں کروڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ان نعمتوں کی تعداد اتنی وافر ہے کہ دنیا کا ذہین ترین انسان بھی اپنی صلاحیتوں کا شاید دس فیصد ہی پورے طریقے پر استعمال کرسکا ہے۔

شاید باقی نوے فی صد صلاحیتیں کسی اور دنیا کے لئے عطا کی گئی ہیں۔امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: انسان سو رہے ہیں'مریں گے تو جاگیں گے" ظاہر ہے جاگنے والوں کو سونے والوں سے زیادہ صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

خودشناسی'خداشناسی

یہ تمام تحفے صرف اللہ جیسا کریم'سخی اور فضل واحسان کرنے والا مالک ہی ہمیں مفت عطا کرسکتا تھا۔اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہ آئے تو ان میں سے کوئی ایک نعمت اپنے قریب ترین رشتے دار یا عزیز ترین دوست سے مانگ کر دیکھ لیں۔

ہم میں سے بیشتر لوگ تو ان عظیم تحفوں کا ادراک ہی نہیں رکھتے اور جو افراد ان عظیم

نعمتوں کا ادراک رکھتے ہیں، ان میں سے بھی اکثر ان بیش بہا تحفوں اور نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں۔ کسی تحفے کے لیے شکریہ ادا نہ کرنا انتہائی بداخلاقی کی بات ہے اور اگر یہ تحفے بیش بہا، انمول اور ہماری زندگی کے لیے ناگزیر ہوں اور انہیں عطا کرنے والا کوئی عام دوست یا ساتھی نہ ہو بلکہ یہ تحائف رب کائنات اللہ جل شانہ کے دربار سے عطا کئے گئے ہوں تو ان کا شکریہ ادا نہ کرنا، بادشاہوں کے بادشاہ، اللہ رب العالمین کی ناقدری کرنے کی ذیل میں شمار ہوگا۔ اسی لئے تو سورۂ الزمر میں مالک کا ارشاد ہے "ان لوگوں نے اللہ کی ویسی قدر کی نہیں جیسی انہیں کرنا چاہیے تھی۔"

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جسم کے عالم اصغر میں ایک عالم اکبر پوشیدہ ہے تو آیئے آج جدید سائنسی تحقیق کی مدد سے اس عالم اکبر کے چند حصوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ خود شناسی سے خداشناسی تک کا ایک تحیر خیز سفر ہے۔

اگرچہ سائنس ابھی عالم اکبر کے اس بحرِ بے کراں کی صرف موجوں ہی تک رسائی حاصل کر سکی ہے لیکن یہ سطحی نظارہ بھی انسان کو بے اختیار "فتبارک اللہ احسن الخالقین" کہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ آیئے اس سفر کا آغاز اللہ کی اسی نعمت کے مشاہدے سے کرتے ہیں جس کی مدد سے میں لکھ رہا ہوں اور جس کے ذریعے آپ یہ سطور پڑھ رہے ہیں۔

آنکھیں

آنکھوں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ ان کی قدر و قیمت کسی پیدائشی نابینا شخص سے بھی نہیں پوچھی جا سکتی۔ ان کی اہمیت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جو آنکھیں رکھتا ہو اور بعد میں کسی سبب سے نابینا ہو گیا ہو۔

ماہرین نے جب انسانی آنکھ کے مختلف حصوں کو الیکٹران مائکرواسکوپ سے دیکھا تو قدرت کے اس "روشن معجزے" کو دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، صرف ایک آنکھ کے اعصاب میں کروڑوں حساس الیکٹریکل کنکشن موجود ہوتے ہیں جو روشنی کے پندرہ لاکھ پیغامات کو بہ یک وقت باہر کی دنیا سے وصول کر کے دماغ تک پہنچا سکتے ہیں۔ آنکھ کا عقبی پردہ جسے ریٹنا (RETINA) کہا جاتا ہے، اس کا سائز ایک اسکوائر انچ سے بھی کم ہے لیکن اس مختصری جگہ میں روشنی کے پیغامات کو محسوس کرنے والے تیرہ کروڑ ستر لاکھ خلیے (CELL) کام کرتے ہیں۔ ان میں سے تیرہ کروڑ خلیے راڈ (ROD) کی شکل کے ہوتے ہیں اور یہ سیاہ اور سفید رنگوں سے منعکس ہونے والی روشنی کو محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ ستر لاکھ خلیے کون (CONE) کی شکل کے ہوتے ہیں اور یہ بنیادی تین رنگوں اور ان رنگوں کے امتزاج سے بننے والے کروڑوں رنگوں سے منعکس ہونے والی روشنی کے پیغامات کو وصول کر کے دماغ تک پہنچاتے ہیں۔

رات کے اندھیرے میں جیسے ہی ایک جگنو چمکتا ہے تو دیکھنے والے کی آنکھوں کے اندر فوراً ایک پیچیدہ برقی کیمیائی ELECTRO CHEMICAL عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس عمل میں دونوں آنکھوں کے پردے، ریٹینا کے چھبیس کروڑ راڈ (ROD) کی شکل کے خلیے حصہ لیتے ہیں۔ جگنو کی مدہم سی روشنی کو محسوس کر کے یہ خلیے اپنے اندر کیمیائی تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں۔ اس کیمیائی عمل کے نتیجے میں خلیوں سے ایک بہت ہلکی (وولٹ کا کئی کروڑواں حصہ) برقی رو پیدا ہوتی ہے۔ یہ برقی رو آنکھ اور دماغ کے درمیان موجود آپٹک نرو (OPTIC NERVE) میں سرایت کر جاتی ہے۔ آپٹک نرو اس برقی سگنل کو تین سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے دماغ تک پہنچا دیتی ہے۔ دماغ اس سگنل

کوڈی کوڈ (DE CODE) کرنے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے کہ نظر آنے والی شے ایک جگنو ہے۔ اس کے ساتھ ہی جگنو سے متعلق پہلے سے حاصل شدہ معلومات بھی آپ کے ذہن میں آجاتی ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ یہ پیچیدہ برقی کیمیاتی (ELECTRO CHEMICAL) عمل ایک سیکنڈ کے 002. ویں حصے میں مکمل ہوجاتا ہے۔

ہماری آنکھیں ہر وقت ایک مخصوص سیال مادے لائی سوزائم (LYSOZYME) میں تیرتی رہتی ہیں۔ جتنی بار ہم پلکیں جھپکتے ہیں، آنکھوں کے پپوٹے، کار کے وائپرز کی طرح آنکھوں کو صاف کرتے رہتے ہیں۔ آنکھ کی طرف کوئی معمولی سی شے بھی آرہی ہوتی ہے تو ہماری پلکیں ایک خودکار نظام کے تحت پہلے ہی بند ہوجاتی ہیں۔ بہت ہی باریک مٹی کے اجزاء یا مختلف جراثیم جو آنکھ کے بیرونی حصے تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، آنکھوں میں موجود اینٹی سیپٹک سیال مادہ لائی سوزائم (LYSOZYEME) فوراً ہی ان جراثیم کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

کیا پیدا ہوتے وقت ہمیں یہ معلوم تھا کہ پانی کے بلبلے جیسا یہ عضو ہمارے کس کس کام آئے گا۔ پھر معلوم ہوتا بھی تو اس وقت ہم میں اتنا شعور کہاں تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے خواہش کرتے۔

جسم کے اندر کیمیکل پلانٹ

کیمیا دانوں کے نزدیک سارا انسان ہی مختلف کیمیکلز سے بنا ہے۔ جسم کے اندر لاکھوں کروڑوں کیمیکل معجزے ہر لمحہ رونما ہوتے ہیں۔ اور اس کام میں گردے بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ایک عام آدمی گردوں کو اپنے جسم کے ڈرینج سسٹم (نکاسی کے نظام) کا ایک حصہ سمجھتا ہے حالاں کہ گردے انسانی جسم میں وہی کردار ادا کرتے ہیں جو کردار بہت بڑے کیمیکل پلانٹ کی نگرانی کرنے والا چیف کیمسٹ سرانجام دیتا ہے۔ انسانی جسم کا تمام خون مستقل دونوں گردوں سے گزرتا رہتا ہے۔ گردے خون کو صاف کر کے اس میں موجود تمام زہریلے مادوں کو الگ کرتے ہیں اور انہیں پیشاب کے ذریعے باہر نکال دیتے ہیں۔ اگر خون میں پانی کی مقدار بڑھ جائے تو سرخ خلیوں کی کارکردگی ختم ہو جائے اور اگر پانی کی مقدار کم ہو جائے تو یہ خلیے فوراً ہی خشک اور بے جان ہو جائیں۔ گردے آب رسانی کے اس انتہائی اہم اور حساس نظام کی مانیٹرنگ اور کنٹرول کے ذمے دار ہوتے ہیں۔

ایک گردے کا وزن صرف پانچ اونس ہوتا ہے اور اس کے اندر خون صاف کرنے والے دس لاکھ سے زیادہ یونٹس (NEPHRONS) موجود ہوتے ہیں۔ یہ باریک اور نازک نسیں ہوتی ہیں۔ اگر ایک گردے کی ان تمام نسوں کو سیدھا کر کے ایک لائن میں رکھا جائے تو ان کی لمبائی ستر میل سے زیادہ ہوگی۔ دونوں گردے مل کر ہر ایک گھنٹے میں جسم کے تمام خون کو دو مرتبہ مکمل طریقے پر صاف کر چکے ہوتے ہیں۔ یعنی ہمارا خون تطہیر خون کے اس دس اونس "وزنی پلانٹ" سے ایک دن میں اڑتالیس مرتبہ گزرتا ہے۔ خون کی صفائی کے دوران خون کے سرخ خلیے، حیاتین، وٹامنز، امائنو ایسڈز، گلوکوز اور ہارمونز وغیرہ ایک پراسرار اور نازک نظام سے گزر کر دوبارہ دوران خون میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد بھی اگر جسم کی ضروریات سے زیادہ ہو تو گردے انہیں پیشاب کے ذریعے باہر نکال دیتے ہیں۔

گردے کے مریضوں کو تطہیر خون کے لئے بار بار اسپتال جانا پڑتا ہے۔ مصنوعی طریقے سے خون کی صفائی کے لئے مریض کو کم از کم چار سے چھ گھنٹے بیڈ پر گزارنا پڑتے ہیں جہاں ڈائی لیسز کا ایک بہت بڑا یونٹ یہ کام سرانجام دیتا ہے اس دوران پیش آنے والی مشکلات اور اخراجات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

ناک، سانس لینے اور خوشبو یا بدبو کو محسوس کرنے کا ذریعہ

ہر انسان کی ناک ہی اس کے سانسوں کو برقرار رکھتی ہے۔ زندگی بھر جو اشیاء ہمارے معدے میں جاتی ہیں انہیں ناک ہی سب سے پہلے چیک کرتی ہے اگر ناک یہ خدمات انجام نہ دے تو ہمیں معلوم ہی نہ ہو کہ ہم متعفن کھانا اور بساند بھرا پانی استعمال کر رہے ہیں۔ آپ کے کھانے کے سارے مزے اور ساری لذتیں ناک ہی کی وجہ سے قائم ہیں۔

ناک کے دونوں نتھنوں کے اوپری حصے میں لگا ہوا ایک پراسرار نظام خوشبو یا بدبو کو آپ کے دماغ تک پہنچاتا ہے۔ اس خوشبو کو محسوس کرنے کے بعد ہی آپ کے نظام ہضم میں وہ مادہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے کھانا کھانا آپ کے لیے خوشگوار اور اسے ہضم کرنا ممکن ہوتا ہے۔ خوشبو محسوس کرنے والے یہ پیچیدہ و نایاب آلات بہ مشکل ڈاک کے چھوٹے سے ٹکٹ کے برابر ہیں۔ زردی مائل کتھئی رنگ کے یہ ٹیشوز قدرت کی صناعی اور قوت ایجاد و تخلیق کا عظیم شاہکار ہیں۔

ہر ٹیشو میں تقریباً ایک کروڑ خلیے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر خلیے میں چھ سے آٹھ ننھے منے خرد بینی بال ہوتے ہیں۔ یہ بال خوشبو یا بدبو کی لہروں کو وصول کرنے والے

اینٹینا کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ مثلاً کھانے کے وقت سے پہلے کھانے کی خوشبو جیسے ہی ناک کے ان حساس آلات کے ذریعے دماغ تک پہنچتی ہے تو دماغ کا وہ مخصوص حصہ فوری طور پر سالیوری گلینڈز کو احکامات جاری کرتا ہے کہ کھانا نگلنے اور ہاضمے میں مدد دینے والی رطوبت کی پیداوار شروع کردی جائے۔ یہ رطوبت سیکنڈوں کے اندر آپ کے منہ، زبان، غذا کی پوری گزرگاہ اور معدے تک پھیل جاتی ہے۔ زکام یا کسی بیماری کے سبب جب ناک کے یہ "آلات" کام کرنا بند کردیتے ہیں تو غذا عام طور پر بے مزہ ہو جاتی ہے۔

بہ ظاہر تو ہم منہ سے بولتے ہیں لیکن ناک کے بغیر صحیح طرح بولنے کا تصور بھی ممکن نہیں۔ سانس لینے کے عمل کو زندگی بخش بنانے کے لئے بھی ناک کی خدمات کا آپ شاید ہی تصور کرسکیں۔ پھیپھڑوں کو مسلسل صاف، گرم اور مرطوب ہوا کی فراہمی ناک ہی کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ناک ایک دن میں پانچ سو کیوبک فٹ ہوا کو صاف گرم اور مرطوب بناتی ہے۔ خواہ آپ سیاچن گلیشیئر کی سرد اور خشک ہواؤں میں کھڑے ہوں یا سوئی کے آگ برساتے علاقے میں، ناک ہر جگہ آپ کے پھیپھڑوں کے لئے مخصوص ٹمپریچر کی مرطوب اور صاف ستھری ہوا کی فراہمی کو یقینی بناتی ہے۔

ہوا کو مرطوب بنانے کے لئے ناک کی اندرونی جھلی ایک دن میں تقریباً ایک چوتھائی گیلن کے برابر نمی خود تیار کرتی ہے۔ سانسوں کو گرم کرنے کے لئے ناک کی تین اندرونی ہڈیاں ریڈی ایٹرز کا کام کرتی ہیں۔ سانسوں کو آلودگی سے صاف کرنا نتھنوں میں موجود نازک بالوں (CELIA) اور ایک مخصوص رطوبت کا کام ہے۔ ناک کے اندر رطوبت کی یہ تہہ ہر بیس منٹ کے بعد تبدیل ہو جاتی ہے۔ آلودگی کو کنٹرول کرنے

کے لئے پرانی والی تہہ کو سیلیا (CELIA) نامی مائکرو اسکوپک نظام حلق میں گراتا رہتا ہے جہاں سے یہ آلودگی معدے میں چلی جاتی ہے۔ معدے کے تیزابی مادے اس گندگی کو منٹوں میں جلا کر فنا کر دیتے ہیں۔

ناک ہی میں وہ مخصوص اعصاب بھی کام کرتے ہیں جو رات کو بے سدھ سوتے ہوئے انسانوں کو کروٹ دلاتے ہیں۔ ایک ہی کروٹ سوتے سوتے جب آپ کو دو گھنٹے گزر جاتے ہیں تو ناک کے یہ اعصاب جسم کے اس جانب خون کی کمی کو محسوس کر کے اس کی اطلاع دماغ کو فراہم کرتے ہیں۔ ان اطلاعات کے موصول ہونے پر دماغ جسم کے متعلقہ پٹھوں کو احکامات جاری کرتا ہے اور آپ کروٹ بدل لیتے ہیں۔ اگر یہ نظام کام نہ کرے تو ایک ہی کروٹ سوتے سوتے آپ کے جسم کا وہ حصہ سن ہو کر رہ جائے اور صبح کے وقت آپ شاید ہی دفتر جانے کے قابل ہو سکیں۔ ناک اللہ رب العالمین کا عظیم اور حیران کر دینے والا معجزہ ہے جو آخری سانسوں تک انسان کے لئے خدمات سرانجام دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو خدمات ہماری ناک انجام دیتی ہے ان میں سے کوئی معمولی خدمت بھی دنیا کے سارے ڈاکٹر، ماہرین اور آلات ہمیں فراہم نہیں کر سکتے۔

دماغ جسم کا سربراہ

ہمارا دماغ اللہ رب العالمین کی حیران کن تخلیق ہے۔ تین پونڈ وزنی لیس دار چپ چپے سفید اور سلیٹی رنگ کے اس ٹیشو کے آگے دنیا کے تمام عجوبے اور تمام سپر کمپیوٹرز ایک معمولی کھلونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ سائنس ابھی تک اس بے کراں سمندر کی سطح ہی کو کہیں کہیں سے چھو سکی ہے۔ دماغ کے ''پرزوں'' کی تعداد ہی انسانی

عقل کو ششدر کر دینے کے لئے کافی ہے۔ اس کے نیورانز (NEURONS) کی تعداد تقریباً تیس بلین اور دماغ کے مخصوص خلیوں (GLIAL CELLS) کی تعداد اس سے پانچ تا دس گنا زیادہ ہے۔ یہ نا قابل شمار تعداد تقریباً سات انچ کی انسانی کھوپڑی میں آرام سے رہتی ہے۔ اسی کو انسانی دماغ کہا جاتا ہے۔

انسانی شخصیت، عمل ردعمل، پسند ناپسند، صلاحیتیں، اچھائیاں، برائیاں، سوچ، فکر، فیصلے، ارادے، خواب یہ سب دماغ ہی کی بدولت ممکن ہوتے ہیں۔ دماغ ایک پراسرار حویلی ہے جس میں آپ کے خاندان، ماحول اور آپ کی زندگی ایک ایک لمحے اور ایک ایک تجربے کی خوش کن، یا افسردہ کر دینے والی یادیں محفوظ رہتی ہیں۔ یادوں، باتوں، چہروں، خوشیوں، غموں، خوشبوؤں، نت نئے تجربوں اور گزرے وقت کے ایک ایک لمحے کے عکس اور آوازیں یہاں موجود رہتی ہیں۔

بچہ دنیا میں آنے کے بعد جو پہلی آواز سنتا ہے اور جو کچھ دیکھ سکتا ہے وہاں سے معلومات جمع ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر زندگی کا کوئی لمحہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی کہ آپ کی آنکھوں، کانوں، قوت لامسہ، قوت ذائقہ اور قوت شامہ کے ذریعے ہزاروں لاکھوں معلومات دماغ تک نہ پہنچ رہی ہوں۔ آپ جاگ رہے ہوں یا سو رہے ہوں اطلاعات و معلومات کا یہ ٹریفک ہر لمحے رواں دواں رہتا ہے۔ دماغ ان بہ یک وقت موصول ہونے والی نت نئی معلومات کو بڑی احتیاط کے ساتھ محفوظ کرتا رہتا ہے۔ آپ معلومات کے اس ذخیرے سے اکثر واقف نہیں ہوتے لیکن معلومات کا یہ ذخیرہ ہی آپ کی زندگی کو رواں دواں رکھتا ہے۔ ورنہ آپ بار بار گرم پتیلی کو چھوتے، بار بار پھسل کر گرتے، بار بار پڑھتے اور بھول جاتے، بار بار گاڑی چلانا سیکھتے اور بھول جایا کرتے۔

یادداشت کی یہ عظیم نعمت نہ ہوتی تو انسان نہ کچھ سیکھ سکتا' نہ پڑھ سکتا نہ کوئی کام کر سکتا' حتیٰ کہ دو قدم چلنا اور چند نوالے حلق سے اتارنا بھی اس کے لئے عذاب ہو جاتا۔

سوتے یا جاگتے میں بیرونی درجہ' حرارت' آکسیجن کی مقدار' بستر کی نرمی یا سختی' روشنی کی مقدار' یہ معلومات دماغ ہی حاصل کرتا ہے اور جسم کو مختلف احکامات جاری کرتا ہے۔

آپ دوڑ رہے ہوں تو جسم میں موجود اطلاعاتی مراکز دماغ کو یہ اطلاع فراہم کرتے ہیں کہ خون میں کاربن ڈائی آکسائڈ کا تناسب بڑھ رہا ہے اور خون کو زیادہ مقدار میں آکسیجن درکار ہے۔

ان اطلاعات کے موصول ہوتے ہی دماغ اپنے پراسرار کیمونی کیشن سسٹم اور متعلقہ اعضا اور غدود کے ذریعے آپ کے پھیپھڑوں کو پھیلنے اور سکڑنے کی نئی رفتار پر سیٹ کر دیتا ہے اور ساتھ ہی وہ اس نئی تیز رفتار سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اضافی توانائی کی فراہمی کو بھی یقینی بناتا ہے۔ آپ تیز تیز سانس لینے لگتے ہیں اور آکسیجن کی کمی دور ہو جاتی ہے۔

جسم کے دوسرے حصوں کی طرح دماغ کے خلیے اپنی تعداد میں اضافہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اگر یہ خلیے اپنی تعداد بڑھانا شروع کر دیں تو انسان چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا اس لیے کہ دماغ کے خلیے ایک مضبوط ہڈی میں بند ہوتے ہیں۔ تعداد بڑھنے کی صورت میں دماغ میں بڑھنے کی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دماغ کی ''نازک تنصیبات'' پچک کر رہ جائیں اور زندگی کا تمام نظم و نسق تباہ ہو جائے۔

دماغ کے اندر اللہ احسن الخالقین نے خلیوں کی اتنی اضافی تعداد پیدا کی ہے کہ اگر

روزانہ ہزار دو ہزار خلیے مرتے رہیں تب بھی انسان کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔اضافی خلیے تیزی سے فنا ہوجانے والے خلیوں کی ڈیوٹی سنبھالتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے انسان کو ان واقعات کا علم تک نہیں ہو پاتا۔شدید دماغی چوٹ کے نتیجے میں دماغ کی حفاظتی جھلی میں ورم بھی آسکتا ہے لیکن دماغ میں سوجنے کی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے ورم کی صورت میں دماغ کے مختلف حصوں پر دباؤ بڑھنے لگتا ہے اور بڑے پیمانے پر ٹوٹ پھوٹ شروع ہوجاتی ہے۔نادر و نایاب تنصیبات ایک ایک کر کے تباہ ہونے لگتی ہیں۔مواصلاتی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔یادداشت کے عظیم ذخیرے ضائع ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔کبھی ایک طرف تاریکی چھا جاتی ہے تو کبھی دوسری طرف۔پھر مکمل بلیک آوٹ ہوجاتا ہے تب انسان کائنات کی اس سب سے بڑی حقیقت کا سامنا کرتا ہے جس کے بارے میں اس نے صحت وتندرستی کے عالم میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔اس کی روح جسم کے ایک ایک سوئچ کو آف کر کے اپنی اصل دنیا کی طرف لوٹ جاتی ہے اور انسان ہمیشہ رہنے والی دنیا میں پیدا ہوجاتا ہے۔

ایڈرینل گلینڈز

ایڈرینل گلینڈز (غدود) دونوں گردوں کے اوپر ہوتے ہیں۔ان دونوں غدود کی جسامت بہ مشکل انگلی کے سرے کے برابر ہوتی ہے۔ان مختصر سے غدود میں اللہ رب العالمین نے حیرت ناک اور بے حد حیات آفرین خصوصیات پیدا کی ہیں۔ایڈرینل گلینڈز پچاس ایسے ہارموز تیار کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے ناگزیر ہیں ان ہارموز کو اگر کوئی ادارہ مصنوعی طور پر تیار کرنا چاہے تو اس مقصد کے لئے اسے کئی ایکڑ زمین پر

بہت بڑا پلانٹ لگانا ہوگا اور اسٹاف ماہرین اور آلات کی لمبی فہرست تیار کرنا ہوگی۔

ایک انگلی کے سرے کے برابر جسامت رکھنے والے اینڈرینل گلینڈز جو ہارموز تیار کرتے ہیں ان کی مقدار ایک اونس کے برابر ہوتی ہے لیکن انسان کی زندگی کے کم و بیش تمام کاموں کی انجام دہی ان کے بغیر ناممکن ہے۔ اگر اینڈرینل گلینڈز کام کرنا بند کر دیں تو انسان کی منزل قبرستان ہی رہ جاتی ہے۔ کسی شخص کے بچپن میں اینڈرینل گلینڈز کی کارکردگی معمول سے تجاوز کر جائے تو دس سالہ معصوم بچہ اس عمر میں ایک بالغ انسان میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں دس سال کی عمر میں اس کے رخسار داڑھی مونچھوں سے بھر جائیں، مزید جسمانی نشوونما کی صلاحیتیں ختم ہو جائیں اور معصوم بچہ ایک بدصورت بونے میں تبدیل ہو جائے۔ اینڈرینل گلینڈز کا صرف ایک ہارمون ایسا ہے جو کم از کم سو بیماریوں کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کارٹی زون نامی یہ ہارمون ہی آپ کو دمے، بڑی آنت کے السر اور گٹھیا جیسی اذیت ناک بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

اینڈرینل گلینڈز ایک اور اہم ہارمون ایلڈوسٹی رون بھی تیار کرتا ہے۔ یہ ہارمون جسم میں پانی اور معدنیات کی توازن کو برقرار رکھتا ہے۔ اس ہارمون کی سپلائی میں اگر پن کے سر کے برابر بھی اضافہ ہو جائے تو ایک اہم معدنی جز پوٹاشیم پیشاب کے ذریعے ضائع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور نمکیات خارج ہونے کی بجائے جسم میں جمع ہونے لگتی ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو بلڈ پریشر ناقابل حد تک بڑھ سکتا ہے۔ دل کے دھڑکنے کی رفتار کئی گنا تیز ہو جاتی ہے، سر کا درد مستقل اور ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جسم کو کوئی حصہ مفلوج بھی ہو سکتا ہے۔

دل

دل کا وزن تقریباً بارہ اونس اور رنگ سرخی مائل کتھئی ہوتا ہے۔ یہ آپ کے سینے کی مضبوط ہڈیوں کے قلعے میں مخصوص جھلیوں کی مدد سے لٹکا ہوا ہے۔ اس کے دونوں جانب پھیپھڑے واقع ہیں۔ ہر انسان کی دل تقریباً اس کی مٹھی کے برابر ہوتا ہے چار خانوں پر مشتمل یہ پمپنگ مشین چوبیس گھنٹے آپ کو آب حیات فراہم کرتی ہے۔ دائیں حصے کے نصف بالائی خانے میں جسم کا استعمال شدہ گندہ خون آ کر جمع ہوتا ہے اور اسی سمت کے نچلے حصے میں چلا جاتا ہے۔ یہ نچلا حصہ اس خون کو فوراً قریب ہی موجود پھیپھڑوں کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔ پھیپھڑوں سے یہ خون صاف ہو کر دائیں حصے میں آ جاتا ہے۔ بائیں حصے کا نچلا خانہ اس آب حیات کو دوبارہ جسم میں پمپ کر دیتا ہے۔

یہ بظاہر بہت آسان اور سادہ سا عمل ہے لیکن در حقیقت یہ انتہائی پیچیدہ کام ہے۔ یہ عمل ایک دن میں تقریباً ایک لاکھ چھتیس ہزار مرتبہ دہرایا جاتا ہے۔ اگر آپ اس وقت پینتالیس سال کے ہیں تو آپ کا دل اب تک تقریباً تین لاکھ ٹن صاف' زندگی بخش خون آپ کے جسم کو فراہم کر چکا ہے۔

پیچوٹری گلینڈ

اللہ رب العالمین کا یہ حیران کن معجزہ آپ کے دماغ کے اندر موجود ہے۔ جسم کی عظیم مملکت کے زیادہ تر نظاموں کو رواں دواں رکھنا اسی کی ذمے داری ہے۔ جسم کے ان پراسرار و پیچیدہ نظاموں کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں۔ اگر انسان اللہ کے اس معجزے کا

متبادل تیار کرنا چاہے تو اس کے لیے ماہرین کی ایک بڑی ٹیم، پندرہ ایکڑ زمین پر کارخانوں کی تعمیر، بے شمار آلات، لاتعداد کیمیکلز اور دواؤں کی ضرورت ہوگی اس اہتمام کے ساتھ کہ یہ تمام سہولتیں انسان کو ساری زندگی ہر لمحے دستیاب رہیں۔ یہ انتظامات صرف ایک انسان کو زندہ رکھنے کے لئے کرنا پڑیں گے۔ احسن الخالقین کا شاہکار یہ غدود بہ مشکل مٹر کے دانے کی سی جسامت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کا وزن ایک اونس کے پچاسویں حصے کے برابر اور اس کا وجود پچاسی فی صد پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔

ایک عرصے تک سائنس دان اس غدود کی اہمیت وافادیت سے لاعلم رہے۔ کیونکہ یہ غدود جو ہارموز جاری کرتا تھا ان کی مقدار اتنی قلیل تھی کہ بعد میں ایجاد ہونے والے آلات کے بغیر انہیں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ ایک دن میں یہ غدود جسم کے تمام افعال کو برقرار رکھنے کے لئے جو ہارموز جاری کرتا ہے ان کی کل مقدار ایک گرام کے دس لاکھویں حصے کے برابر ہوتی ہے۔

اس غدود کو ماسٹر گلینڈ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جسم کے تمام غدود اسی کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ انسان کی پوری زندگی کو کنٹرول کرنے کے لئے قدرت نے اس غدود میں آٹھ پر اسرار ہارموز بنانے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ یہ آٹھ ہارموز بچے کی پیدائش، جسم کی نگہداشت، نئی کھال کی فراہمی، جنسی معاملات مختلف اعضاء کی مناسب نشونما، ہڈیوں کی تیاری، دل کی دھڑکن، پھیپھڑوں کی کارکردگی، دوران خون، بیماریوں سے بچاؤ، گردوں کی کارکردگی، غرض تمام پر اسرار و پیچیدہ کاموں کو معمول کے مطابق سرانجام دینے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان میں دو ہارموز وقت پیچوٹری گلینڈ میں تیار حالت میں رہتے ہیں جبکہ باقی چھ ہارموز وقت ضرورت

سیکنڈوں میں تیار ہو کر ہدف تک پہنچ جاتے ہیں۔ان کے علاوہ چار ہارمون کہیں اور تیار ہو کر اس غدود میں آتے ہیں۔اس طرح یہ کل بارہ ہارمون ہوتے ہیں جو اس گلینڈ سے خارج ہوتے ہیں۔

ان ہارمونز کی مقدار میں ذرا سی کمی بیشی بڑے مسائل پیدا کرسکتی ہے۔مثلاً ان کی مقدار میں اضافہ، انسان کو چند ہی دنوں میں کسی حیوان کی صورت میں مسخ کر سکتا ہے۔ایسی صورت میں انسان کے ہاتھوں، پیروں اور جبڑے کی ہڈیاں غیر معمولی طور پر بڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔جبڑا کسی درندے کے جبڑے سے مشابہ ہو سکتا ہے۔

ان حادثات کے امکانات ہر وقت موجود رہتے ہیں لیکن اللہ رب، کریم نے پیچوٹری گلینڈ کے اندر ایک نادیدہ خودکار نظام پیدا کیا ہے جو اس طرح کے حادثات کو کنٹرول کرتا ہے۔یہ خودکار نظام کس طرح اور کہاں سے کنٹرول کیا جاتا ہے اس کے بارے میں سائنس ابھی کچھ جاننے سے قاصر ہے۔

"اور اگر ہم چاہیں تو جہاں یہ ہیں وہیں ان کی صورتیں بدل (کر انہیں مسخ کر) دیں۔"　　(سورۃ یٰس)

ہائی پوتھیلیمس گلینڈ

آپ کے لئے اللہ رب العالمین کا یہ انمول تحفہ، اس کی شان خلاقیت کا یہ انوکھا عجوبہ جس کا سائز ایک چھوٹے ٹماٹر کے برابر ہے آپ کے دماغ میں سر کے بیچوں بیچ واقع ہے۔اسے آپ جسم کا مرکزی کنٹرول روم بھی کہہ سکتے ہیں۔اس کی سب سے اہم ذمے داری آپ کے جسم کے اندر توازن و اعتدال کو قائم رکھنا ہے۔اس مقصد کے

لئے یہ غدود آپ پیدائش سے بھی پہلے سے چوبیں گھنٹے آن ڈیوٹی رہتا ہے۔

سائنس ابھی تک اس غدود کی مکمل کارکردگی جاننے میں ناکام ہے۔ اس غدود ہی کی وجہ سے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں، آپ کو پیاس لگ رہی ہے آپ سردی محسوس کر رہے ہیں، آپ کے اردگرد کی فضا گرم ہو رہی ہے۔ حتی کہ جب آپ کو غصہ آئے، صدمے سے دوچار ہوں، خوشی محسوس کریں افسوس ناک خبر سنیں یا آپ پر خوف طاری ہو تو ایسے تمام مواقع پر آپ کا عمل اور ردعمل اور اس کی صلاحیت کی فراہمی اس غدود ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ غذا کو جزو بدن بنانے کا نظام، ہارمونز کا نظام، جسم کی نشوونما، جنس اور اعضائے تولید کے معاملات، جسم کے درجہ حرارت کا کنٹرول، اس غدود کی مدد کے بغیر یہ سارے زندگی بخش، حیات آفریں پر اسرار و پیچیدہ سسٹمز کام نہیں کر سکتے۔

آپ روزانہ کھانا کھاتے ہیں لیکن اگر یہ غدود کام کرنا بند کر دے تو لذیذ ترین کھانے آپ کے لئے گھاس پھونس کی طرح بے وقعت ہو کر رہ جائیں۔ کھانے کے وقت سے ذرا پہلے جسم کے مختلف حصوں کی جانب سے لمحہ لمحہ ہزاروں اقسام کے سگنلز، تازہ ترین اطلاعات اور بے شمار معلومات اس غدود کے مواصلاتی نظام پر موصول ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً گلوکوز کی شکل میں یہ اطلاع آتی ہے کہ خون میں شکر کی مقدار گر رہی ہے۔ دوسری طرف سے یہ معلومات موصول ہوتی ہیں کہ توانائی کے بحران کے سبب کمزوری اور تھکن کے ہلکے ہلکے اثرات پٹھوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔

اس سے پہلے کہ توانائی کا بحران شدت اختیار کرے، ہائی پو تھیلمیس گلینڈ متعلقہ

غدود اور اعضا کو اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے ہدایات جاری کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ ہدایات وہ اپنے ایک ہارمون کے ذریعے فراہم کرتا ہے۔ دوران خون کے ذریعے سفر کرتا ہوا یہ ہارمون جسم کے ہزاروں میل لمبی خون کی نالیوں کے ذریعے سیکنڈوں میں تمام اعضاء اور غدود تک پہنچ جاتا ہے۔

ان ہدایات کے مطابق مختلف اعضاء اور غدود اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ منہ، زبان، گلے، اور غذا کی نالی اور معدے میں کھانے کے ہضم کرنے میں مدد فراہم کرنے والی رطوبت پیدا ہونے لگتی ہے۔ زبان اور منہ کے ذائقہ محسوس کرنے والے ابھاروں کی حساسیت بڑھ جاتی ہے۔ اب گرم روٹی کی سوندھی خوشبو یا سالن کی ہلکی سی مہک سے بھی آپ کے منہ میں پانی بھر آتا ہے اور آپ کھانا کھانے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔

اسی غدود کی وجہ سے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اب پیٹ بھر گیا، اور کھانا بند کر دینا چاہئے۔ اگر اس غدود میں خرابی پیدا ہو جائے تو آپ کھاتے کھاتے تھک جائیں لیکن کبھی سیری محسوس نہ کر سکیں یا اس کے برعکس آپ کو بھوک ہی نہ لگے اور ہر طرح کی غذا آپ کے لئے بے کار ہو کر رہ جائے۔

بھوک لگنے اور پیٹ بھرنے کے عمل کے دوران شاید ہی کوئی شخص ہو جو اللہ رب العالمین کی ان نعمتوں کا احساس کرتا ہو جو ان کاموں کے لئے اللہ نے جسم کے اندر پیدا کی ہیں۔ انسان تو ان نعمتوں کا بھی شکر ادا نہیں کرتا جو روٹی سالن اور پانی شکل میں اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں۔

تھائی رائیڈ گلینڈ

اللہ رب العالمین کا عطا کردہ یہ نادرونایاب تحفہ آپ کی سانس کی نالی کے، دونوں جانب نرخرے کی ہڈی کے نیچے موجود ہے۔ اس غدود کا کام جسم کی اس عظیم دنیا (عالم اکبر) کو توانائی فراہم کرنا ہے۔ یہ توانائی جسم کے سو کھرب خلیوں میں موجود سو ہزار کھرب توانائی گھروں (MITOCHONDRIA) کے ذریعے فراہم کی جاتی ہے۔ تھائی رائیڈ گلینڈ ان سو ہزار کھرب توانائی گھروں کو کنٹرول کرتا ہے۔

زندگی کے تمام افعال و حرکات کے لئے توانائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ حتی کہ خواب دیکھنے کے لئے بھی توانائی کی مخصوص مقدار درکار ہوتی ہے۔ توانائی کی فراہمی کا یہ پیچیدہ و پراسرار کام تھائی رائیڈ ہی کے ذریعے سرانجام پاتا ہے۔ مطلوبہ توانائی فوری طور پر تیار کر کے ٹھیک اسی مقدار میں فراہم کی جاتی ہے جتنی مقدار درکار ہوتی ہے۔ مثلا جب آپ چھالیہ یا بادام کو توڑنے کے لئے داڑھوں میں رکھتے ہیں تو داڑھوں کا مواصلاتی نظام توانائی کی ضرورت کا اندازہ کر کے اس کی اطلاع دماغ میں موجود ہائی پوتھیلیمس گلینڈ کو فراہم کرتا ہے۔ ہائی پوتھیلیمس گلینڈ فراہم کی جانے والی توانائی کی مقدار کا تعین کرتا ہے اور پیچوٹری گلینڈ کو سگنلز روانہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔

ان سگنلز کو وصول کر کے پیچوٹری گلینڈ فوراً ہی تھائی روٹروپن نامی ہارمون خون میں شامل کر دیتا ہے۔ یہ ہارمون پلک جھپکنے سے بھی کم مدت میں سیدھا آپ کی گردن پر موجود تھائی رائیڈ گلینڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس حکم کے ملتے ہی تھائی رائیڈ گلینڈ ایک مخصوص ہارمون کے ذریعے جسم کے سو کھرب خلیوں کو یہ احکامات جاری کرتا ہے کہ ہر خلیہ اپنے

اپنے ہزار توانائی گھروں کو آن کر دے تا کہ چھالیہ یا بادام توڑنے کے لئے داڑھوں کو مطلوبہ طاقت فراہم کی جا سکے۔اس کے ساتھ ہی سو ہزار ننھے منے توانائی گھر توانائی کی پیداوار شروع کر دیتے ہیں اور آپ چھالیہ یا بادام کو داڑھ سے دبا کر توڑ دیتے ہیں۔

آپ کو اس بات کا علم ہی نہیں ہو پاتا کہ بادام توڑنے کے لئے یہ طاقت مواصلات کے کتنے پیچیدہ نظام اور توانائی گھروں کے کتنے بڑے نیٹ ورک کے ذریعے آپ کو فراہم کی گئی ہے! آپ تصور ہی نہیں کر سکتے بادام توڑنے کے اس عمل میں کتنے خلیوں ،اعضاء ،غدود، اعصاب ، ہارمونز، کیمیکلز ،غذائی اجزا اور صلاحیتوں نے حصہ لیا۔اگر اس عظیم الشان سلسلے میں سے کوئی ایک بھی اپنے فرائض سے روگردانی کرتا تو بادام یا چھالیہ تو کیا آپ سونف کے ایک دانے کو بھی دانتوں سے نہیں دبا سکتے تھے۔

جسم کے تمام افعال اور آپ تمام حرکات کے لئے توانائی درکار ہوتی ہے۔یہ توانائی ہر مرتبہ اسی طرح فراہم کی جاتی ہے کہ آپ کو اس کا علم ہی نہیں ہو پاتا۔مثلاً دل کے دھڑکنے ،پھیپھڑوں کے پھولنے ، پچکنے ،منہ ،زبان اور دانتوں کے چلنے ،ہاتھ پیروں کی حرکت پپوٹوں کے کھلنے اور بند ہونے ،آنکھ کی پتلی کے پھیلنے اور سکڑنے ،غرض ہر کام کے لئے توانائی استعمال ہوتی ہے۔اب آپ اندازہ لگائیں کہ ہم ایک منٹ میں کتنی ہزار مرتبہ اللہ رب العالمین کے اس نادر اور نایاب تحفے سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو کیا کبھی ہم اللہ رب العالمین کی ان نعمتوں کا شکر بھی ادا کرتے ہیں۔ہم جیسے لوگوں کو تو ان نعمتوں کا احساس تک نہیں ہے شکر ادا کرنا تو بعد کی بات ہے! ہم تو ان سب صلاحیتوں کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ رب العالمین ہمیں یہ تمام

نعمتیں عطا کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ یہ نعمتیں تو اس نے اپنے فضل واحسان کی وجہ سے ہمیں مفت اور بے مانگے عطا کی ہیں۔

تھائی رائیڈ کے بہت سے مریض ہم سب نے دیکھے ہوں گے۔ تھائی رائیڈ میں خرابی پیدا ہو جائے تو پھول جیسا نوزائیدہ بچہ بدشکل ہونے کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ اگر یہ غدود معمول سے کم ہارمون جاری کرنا شروع کر دے تو تندرست وتوانا آدمی چند ہی ہفتوں میں سستی کاہلی اور موٹاپے کا شکار ہو کر باسی سبزی کی طرح لجلجا ہو کر رہ جائے۔ اس ہارمون کی مقدار بڑھ جانے کی صورت میں انسان حیوانوں کی طرح ہر لمحے کھاتا رہنے کے باوجود کبھی بھی اپنی بھوک نہ مٹا سکے۔ اتنا کھانے کے باوجود بھی اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو جائے۔ آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئیں اور وہ آنکھیں بند کرنے پر قادر نہ ہو۔ یہ غدود غیر ضروری توانائی پیدا کرنے لگے تو دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہو جائے کہ اس کا دل کام کرنا بند کر دے۔

مالک کا مال

یہ تفصیلات بتانے کا مقصد ہرگز آپ کو خوف زدہ کرنا نہیں ہے۔ اس کا مقصد دوستوں کو اللہ رب العالمین کی خالقیت اور ربوبیت اور اس کی چند نعمتوں کی جانب متوجہ کرنا ہے جن میں سے زیادہ تر اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اللہ نے ہمیں عطا کر دی تھیں اور جن کا شکریہ ہم میں سے اکثر لوگ دوسری دنیا میں جانے تک ادا نہیں کرتے۔

اقتباس از: رب العالمین، دعا اور انسان

مصنف: محمد علی سید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(تعارف)

"تفسیر اہلبیتؑ (محمدؐ و آلِ محمدؐ)" ایک ایسی آسان تفسیر ہے جو خاص طور پر طلباء کے لیے لکھی گئی ہے۔

(۱) نہایت آسان و واضح زبان و بیان ہے جو ہر قسم کے ابہام یا الجھاؤ سے پاک ہے۔

(۲) جناب رسولؐ خدا کی ان احادیث کو حوالوں کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جو ائمہ اہل بیتؑ کے حوالے سے مستند کتابوں میں نقل کی گئی ہیں اور خود ائمہ اہل بیتؑ کے بیانات ارشادات اور تشریحات کو اولین مقام دیا گیا ہے۔

(۳) اکابر شیعہ و سنی مفسرین کے بیانات کی بھی تلخیص کی گئی ہے تا کہ ہر مکتب فکر کا انداز فکر و نظر بھی معلوم ہو جائے اور اکابرین کے علم و تحقیق سے پورا فائدہ حاصل کیا جا سکے۔

(۴) جدید علوم کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔

(۵) ساتھ ہی استادِ محترم جناب آیت اللہ حضرت آقائے مرزا مہدی پویاؒ کے ان بیانات کی تلخیص کی گئی ہے جو انگریزی تفسیر میر احمد علیؒ سے ماخوذ ہیں اور ان بیانات کو بھی شامل کیا گیا ہے جو میں نے خود اپنی شاگردی کے زمانے میں ان سے سنے اور سیکھے ہیں۔

اس تفسیر کے لکھنے کی تحریک اور فرمائش دوستِ محترم، زعیم قوم جناب آقائے مرزا مرتضیٰ پویا مدظلہ صاحب نے فرمائی۔

خداوند عالم سے دلی دعا ہے کہ وہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور اپنی خاص مہربانی، عنایت اور رحمتوں کی وجہ سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے میں اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

گر قبول افتد..........زہے عزّ و شرف

اور اس کا اجر تمام معاونین و قارئین کو دنیا و آخرت میں دونوں میں بھرپور عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

دعا گو/ طالب دعا

ڈاکٹر محمد حسن رضوی صاحب

نوٹ: قرآن مجید کی یہ تفسیر جو تفسیرِ اہلِ بیتؑ کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔ یہ ایک بڑا علمی پروجیکٹ ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کاوش سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر لکھی جا رہی ہے اور مکمل ہونے والی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا تعاون درکار ہے۔ آپ سہم امامؑ سے بھی سرپرستی کر سکتے ہیں۔

اسی مصنف کے قلم سے

١۔ قرآن مبین: قرآن مجید کا آسان واضح اردو ترجمہ

٢۔ خلاصۃ التفاسیر: مختلف مکاتبِ فکر کی تفاسیر کا خلاصہ با تفسیر اہل بیت (٣٠ جلد)

٣۔ اصول کافی کا منتخب آسان ترین ترجمہ (اردو انگریزی)

٤۔ روح قرآن: قرآن مجید کے موضوعات کا خلاصہ

۵۔ روح اور موت کی حقیقت

٦۔ کلام شاہ بھٹائی: اردو ترجمہ کا انتخاب اور ترتیب

٧۔ قرآن مجید کا لفظی انگریزی ترجمہ

٨۔ شیعہ عقائد و اعمال کا تعارف سنی کتابوں سے (اتحاد بین المسلمین کی ایک عملی کوشش)

٩۔ قرآن مجید کے (٣٠) اہم ترین سورتوں کی تفسیر

١٠۔ قرآن مجید کے سو (١٠٠) موضوعات کی تفسیر موضوعی

١١۔ اثبات و معرفت خدا (جدید علوم کی روشنی میں)

١٢۔ ائمہ اہل بیت کی معرفت اہل سنت کی کتابوں سے

١٣۔ حضرت امام مہدیؑ کی معرفت اور ہماری ذمہ داریاں

١٤۔ انتخاب صواعق محرقہ (ولایت علی ابن طالب)

١۵۔ اصول دین (تفسیر موضوعی)

اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ
B-285 بلاک 13 فیڈرل بی ایریا کراچی فون 36364519